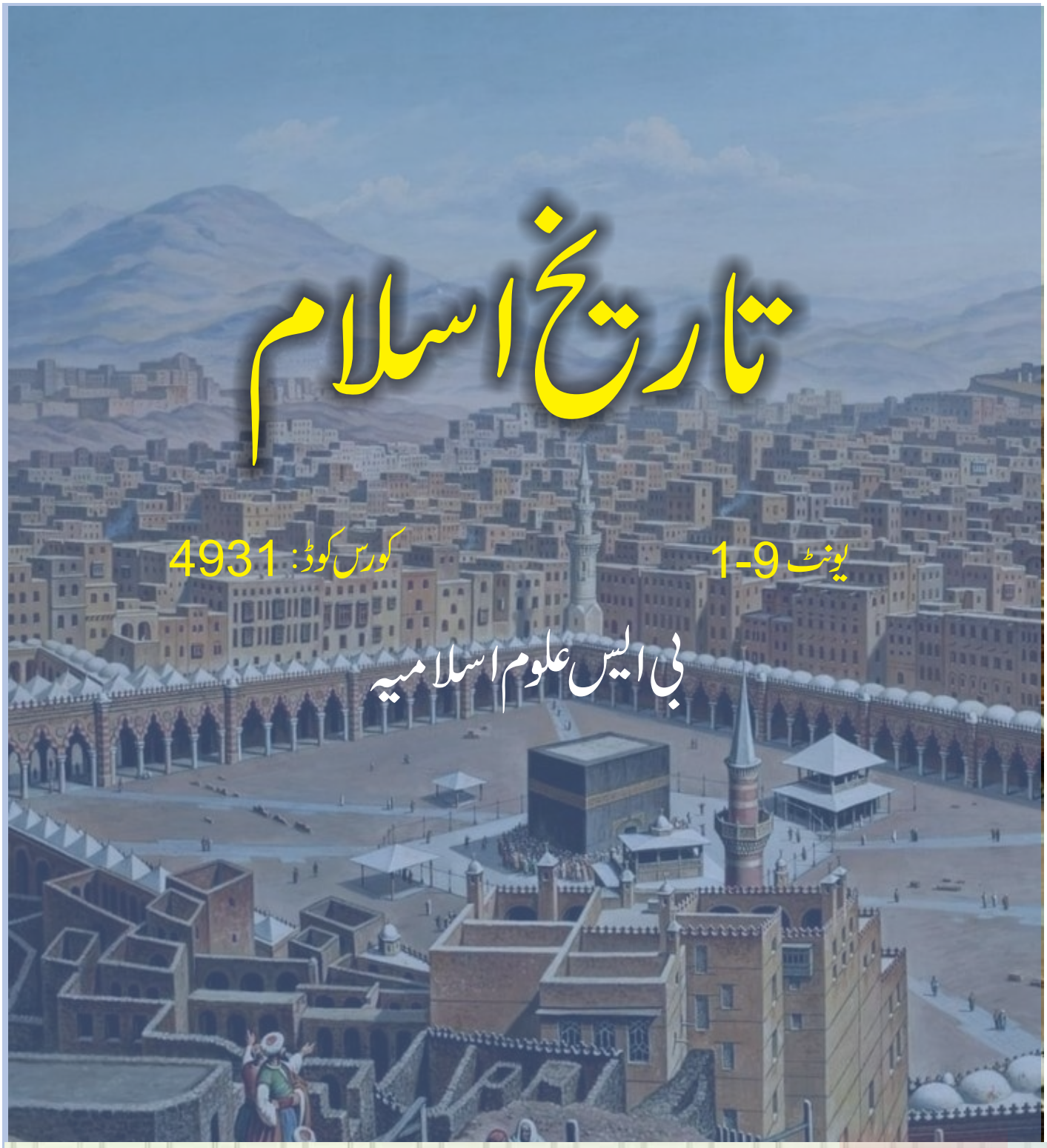


تاریخ اسلام

یونٹ 9-1

کورس کوڈ: 4931

بی ایس علوم اسلامیہ

شعبہ فکر اسلامی تاریخ وثقافت

کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

تاریخِ اسلام

برائے بی ایس علوم اسلامیہ

کورس کوڈ: 4931 یونٹ: 1 تا 9

مرتب

ڈاکٹر محمد سجاد، ایسوسی ایٹ پروفیسر



شعبہ فکر اسلامی تاریخ و ثقافت

کلیہ عربی و علوم اسلامیہ

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

ایڈیشن 2025ء

اشاعت کا سال 2025ء

تعداد اشاعت 1000

نگران طباعت .....ڈاکٹر سرمد اقبال

طابع .....AIOU پرنٹنگ پریس، اسلام آباد

ناشر .....علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

کورس ٹیم

چیئرمین	پروفیسر ڈاکٹر محی الدین ہاشمی ڈین / چیئرمین شعبہ فکر اسلامی، تاریخ و ثقافت
مؤلف	ڈاکٹر محمد سجاد ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبہ مطالعات بین المذاہب
نظر ثانی	پروفیسر ڈاکٹر محی الدین ہاشمی ڈاکٹر محمد ریاض محمود محمد یوسف یعقوب
کورس رابطہ کار	ڈاکٹر محمد ریاض محمود ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ فکر اسلامی تاریخ و ثقافت علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد
کمپوزنگ لے آؤٹ	محمد جاوید
پروف ریڈنگ	محمد رضوان مغل

فہرست مضامین

پیش لفظ	————	5
حرف آغاز	————	6
کورس کا تعارف	————	8
کورس کے مقاصد	————	10
یونٹ نمبر 1	———— مطالعہ سیرت النبی ﷺ	11
یونٹ نمبر 2	———— عہد خلافت راشدہ-I	49
یونٹ نمبر 3	———— عہد خلافت راشدہ-II	73
یونٹ نمبر 4	———— عہد بنو امیہ	87
یونٹ نمبر 5	———— عہد بنو عباس	109
یونٹ نمبر 6	———— سپین، مصر اور شمالی افریقہ کی مسلم حکومتیں	135
یونٹ نمبر 7	———— برصغیر میں مسلم حکومتیں	153
یونٹ نمبر 8	———— عہد خلافت عثمانیہ اور ایران میں مسلم حکومتیں	167
یونٹ نمبر 9	———— جدید عالم اسلام	179

پیش لفظ

تاریخ اسلام کا آغاز پہلے نبی اور رسول کی آمد سے ہی ہو گیا تھا۔ انبیاء اور رسل کے خاتم حضرت محمد ﷺ کی تشریف آوری سے اللہ تعالیٰ اپنی ہدایت کی تکمیل فرماتا ہے اور اپنے دین کو مکمل فرما دیتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ کی سیرت سے لے کر آج تک کے جدید واقعات جن کا تعلق اسلام اور اہل ایمان سے ہے یہ سب تاریخ اسلام و مسلمین سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کا مطالعہ بڑی اہمیت کا حامل ہے، قرآن حکیم نے سابقہ اقوام کی تاریخ بیان کرتے ہوئے جو مقاصد واضح کئے ہیں ان میں بنیادی مقصد عبرت و نصیحت ہے اور تاریخ اسلام کا بھی بنیادی مقصد یہی ہے کہ ماضی کے واقعات سے انسان خود اپنے سماج اور معاشرہ کو سنوارے، اپنے شاندار ماضی، علمی ورثہ اور عظیم فکری و علمی تراث کو پیش نظر رکھے اور اس کے ساتھ ساتھ اپنی کمزوریوں، کوتاہیوں اور لغزشوں کا بھی تحلیل و تجزیہ کرے تاکہ اس کا مستقبل شاندار ہو۔

یہ کورس تاریخ اسلام بی ایس / ایم اے علوم اسلامیہ کا لازمی کورس ہے، اس کورس کو ڈاکٹر حافظ محمد سجاد، ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ مطالعات بین المذاہب، کلیہ عربی و علوم اسلامیہ نے مرتب کیا ہے۔ ضرورت کے پیشِ نظر کورس کی نظر ثانی اور دوبارہ ترتیب دی گئی ہے۔ اس موقع پر میں کلیہ عربی و علوم اسلامیہ کے اساتذہ کو مبارک باد پیش کرتا ہوں کہ انہوں نے نصاب کو از سر نو مرتب کیا ہے۔ کلیہ کے اساتذہ کی ہمہ وقت یہ کوشش رہی ہے کہ کلیہ عربی و علوم اسلامی کے نصاب کی کتب کو جدید عصری تقاضوں سے ہم آہنگ کیا جائے۔ یہ کتاب بھی اس مرحلہ کی ایک کڑی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں علم کے نور سے منور فرمائے اور اس نور کو دوسروں تک پہنچانے کی توفیق اور صلاحیت عطا فرمائے (آمین)۔

پروفیسر ڈاکٹر ناصر محمود
وائس چانسلر
علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

حرف آغاز

تاریخ علوم میں مسلمانوں کو تمام اقوام عالم پر برتری حاصل ہے، مسلمانوں نے جن علوم کو ایجاد کیا یا جن کو جدید تحقیقی بنیادیں عطا کیں، ان کی ایک طویل فہرست ہے مثلاً علم تفسیر، علم حدیث، علم اصول حدیث، علم الفقہ، علم اصول فقہ، علم الکلام، علم فلکیات، علم ارضیات، علم الہیات، علم الادیان وغیرہ۔ ان تمام علوم کی بنیادیں رکھنے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں نے علم تاریخ میں جو عظیم کارنامہ سر انجام دیا ہے وہ اس کے اندر نئے تحقیقی اصولوں کو رواج دینا ہے۔ مسلمانوں نے تاریخ کی مخصوص بنیاد رکھ کر تمام دنیا کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا۔ اس کی مثال دور قدیم یا دور جدید میں کسی سطح پر بھی موجود نہیں۔

مسلمانوں کے ان تاریخی تحقیقی اصولوں سے قبل دنیا میں اقوام کی تاریخ رطب و یابس، افسانوی اور دیومالائی کہانیوں کا مجموعہ تھی۔ اس حقیقت کو دور جدید کے تمام مصنفین چاہے ان کا تعلق کسی مذہب یا مکتب سے ہو اب تک تسلیم کرتے ہیں۔ مسلمانوں کے مقابلے میں کوئی قوم اپنی سابقہ تاریخ کی حقانیت اور سچائی کی دعویدار نہیں، اس کا اقرار خود دور جدید کے یورپی مورخین مثلاً گبن، ہٹی، لیبان، وغیرہ اور پنڈت جواہر لعل نہرو نے برملا کیا ہے۔

مسلمانوں نے علم تاریخ کی تجدید کرنے کے ساتھ ساتھ اس علم کی مختلف اقسام کو بھی رواج دیا ہے۔ مثلاً سیرت النبی ﷺ، سیرت صحابہ رضی اللہ عنہم، سیرت خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم، تاریخ الملوک، تاریخ الامم، تاریخ العلوم، تاریخ انساب، تاریخ کتب، تاریخ وزراء، شخصیات و اعلام اور وفیات کی تاریخ اور اس کے علاوہ متعدد اقسام پائی جاتی ہیں۔ اس قسم کی تمام اقسام ہمیں دور جدید میں بھی یورپ یا دنیا کے کسی خطے میں نہیں ملتیں اور یہ بات مسلمانوں کی علمی برتری پر دور جدید میں بھی واضح دلالت کرتی ہے۔

زیر نظر کورس تاریخ اسلام بی ایس / ایم اے علوم اسلامیہ کے طلبہ و طالبات کے لئے پیش کیا جارہا ہے۔ اس کورس میں طلبہ و طالبات کے لئے یہ کوشش کی گئی ہے کہ وہ تاریخ اسلام کے سنہری دور اور اس سے قبل کے حالات سے بھی آگاہی حاصل کر سکیں۔ ایک طالب علم تاریخ اسلام کا مطالعہ کرنے کے بعد اس حقیقت سے آگاہ ہو جاتا ہے کہ مسلمانوں نے ایک ہزار سال تک دنیا پر اس طریقے سے حکمرانی کی ہے کہ آج بھی اس کی مثال دور حاضر کے مقتدر

طبقے کے لئے ایک بہترین سبق ہے۔ دنیا امن کی طرف گامزن ہونا چاہتی ہے تو اسے دوبارہ مسلمانوں کی فکری، علمی اور سیاسی برتری کو تسلیم کرنا پڑے گا۔

زیر نظر کورس میں سیرت طیبہ اور سیرت خلفائے راشدین سے متعلق مواد جمع کیا گیا ہے جو طالب علم کی رہنمائی کے لئے ایک مؤثر تعارف اور بنیاد فراہم کرتا ہے۔ بی ایس اسلامیات کی سطح پر اس کورس کو متعارف کرانے کا مقصد طالب علم کو تاریخ اسلام کی حقیقت سے آگاہ کرنا ہے اور اگر طالب علم اس میں مزید دلچسپی لینا چاہے تو اس کے لئے ایم فل اور ڈاکٹریٹ کی سطح پر اس علم میں مزید تعلیم کے حصول کے مواقع موجود ہیں۔

پیش نظر لازمی کورس کی تیاری میں محترم وائس چانسلر پروفیسر ڈاکٹر ناصر محمود صاحب اور اپنے رفقاء کار محترم ڈاکٹر حافظ محمد سجاد، ڈاکٹر محمد ریاض محمود (ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ فکر اسلامی، تاریخ و ثقافت) اور محمد یوسف یعقوب (ریسرچ ایسوسی ایٹ، شعبہ فکر اسلامی، تاریخ و ثقافت) کی شبانہ روز کوششوں کی داد دیئے بغیر بھی نہیں رہ سکتا کہ ان کی کوششوں نے اس خواب کو حقیقت کا روپ بخشا۔

میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہماری کوتاہیوں سے درگزر فرمائے اور اس کورس کو طلبہ و طالبات اور اہل علم طبقہ کے لئے خیر کثیر کا باعث بنائے۔ (آمین)

پروفیسر ڈاکٹر محی الدین ہاشمی
ڈین: کلیہ عربی و علوم اسلامیہ
چیئرمین: شعبہ فکر اسلامی، تاریخ و ثقافت
علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

کورس کا تعارف

تاریخ اسلام کا کورس بی ایس / ایم اے علوم اسلامیہ کے طلبہ کے لئے پیش کیا جارہا ہے، علم تاریخ اصطلاحاً اس علم کو کہتے ہیں جس کے ذریعے امراء، فاتحین، علماء، اولیاء، مصلحین اور مشہور شخصیات کے حالات اوراز منہ رفتہ کے عظیم الشان واقعات تک رسائی حاصل ہوسکے۔ نیز اقوام سابقہ کی معاشرت، اخلاق اور تہذیب و تمدن وغیرہ سے واقف ہونے کا ذریعہ بن سکے۔ تاریخ کے ذریعے ہم اپنے اسلاف کے احوال اور کارہائے نمایاں سے واقف ہوتے ہیں اور ہمارے دلوں میں ان کے لئے عقیدت اورارادت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ تاریخ کا مطالعہ حوصلہ کو بلند کرتا ہے۔ نیکیوں کی ترغیب دیتاہے اور برائیوں سے روکتاہے۔ تاریخ کے مطالعہ سے بوجھل دل ہلکے ہوتے ہیں، قوت فیصلہ بڑھتی ہے، صبر و استقلال کی صفات پیدا ہوتی ہیں۔ دل و دماغ میں ہر وقت تازگی کی کیفیت موجود رہتی ہے۔ علم تاریخ ہزاروں واعظوں کا ایک واعظ اور عبرت آموزی کا ایک بہترین ذریعہ ہے۔ تاریخی مطالعہ کے ذریعے انسان ہر وقت اپنے آپ کو حکام، فاتحین، مصلحین، حکماء اور علما کی مجلس میں پاتا ہے اور ان تمام شخصیات کے علم و عمل سے استفادہ کرتا ہے۔ تاریخ کا مطالعہ گوناگوں فوائد کا مجموعہ ہونے کے علاوہ نہایت دلچسپ اور دلکش بھی ہے۔ دنیا کی تمام اقوام میں صرف مسلمان ہی ایک ایسی قوم ہے جس کی تاریخ شروع سے لے کر آخر تک محفوظ و موجود ہے۔ مسلمان مؤرخین نے رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک سے لے کر آج تک مسلمانوں پر گزرنے والے حالات و واقعات کے قلم بند کرنے اور بذریعہ تحریر محفوظ کرنے میں مطلق کوتاہی اور غفلت سے کام نہیں لیا۔ مسلمان کو بجا طور پر فخر ہے کہ وہ اسلام کی مکمل تاریخ ہم عصر مؤرخین اور عینی شاہدوں کے بیان سے مرتب کرسکتے ہیں مزید یہ کہ ان مؤرخین اور بااعتماد راویوں کے بیانات میں تواتر کا درجہ بھی دکھاسکتے ہیں، غرض یہ کہ مسلمان ہی ایک ایسی قوم ہے جو اپنی مستند اور مکمل تاریخ رکھتی ہے۔

تاریخ اسلام پندرہ صدیوں کے واقعات، حادثات، نشیب و فراز اور احوال و حالات پر مشتمل ہے، اس حوالے سے مسلمان مؤرخین نے بہت کچھ لکھاہے۔ ابن جریر طبری، مسعودی، ابن اثیر، یعقوبی، ابن خلدون، ابن کثیر اور ابن خلکان اس فن کے مشہور نام ہیں۔ اس وسیع و عریض تاریخی مواد کے مطالعہ کے لئے بھرپور توجہ اور طویل وقت کی ضرورت ہے۔ اس کورس میں کوشش کی گئی ہے کہ تاریخ اسلام کے ان پہلوؤں کو متعارف کرایا جائے جن کو بنیادی حیثیت

حاصل ہے اور طلبہ کو اتنا مطالعہ کرادیا جائے جس کی بنیاد پر انہیں اس موضوع کے ساتھ مناسبت اور دل چسپی پیدا ہو جائے۔

اس کورس کی بنیاد جن کتب پر رکھی گئی ہے ان کے نام ذیل میں دیئے جارہے ہیں۔ طلبہ کو چاہیے کہ ان کتب کا مطالعہ، اس کتاب میں دی گئی ترتیب کے مطابق کریں۔

1. السیرۃ النبویہ ﷺ-عبد الملک ابن ہشام
2. سیرت النبی ﷺ-علامہ سید سلیمان ندوی
3. سیرت النبی ﷺ-علامہ شبلی نعمانی
4. رحمۃ للعالمین ﷺ- قاضی سلیمان منصور پوری
5. نبی رحمت ﷺ-مولانا سید ابوالحسن علی ندوی
6. تاریخ اسلام-شاہ معین الدین احمد ندوی
7. تاریخ اسلام-اکبر شاہ خان نجیب آبادی
8. تاریخ الخلفاء-علامہ جلال الدین سیوطی
9. الفاروق-علامہ شبلی نعمانی
10. تاریخ ملت-مفتی زین العابدین سجاد میرٹھی
11. ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ-ثروت صولت

اس کورس کا فائدہ یہ ہے کہ مطالعہ کے دوران طالب علم کے سامنے اہم نکات، یونٹ کے اغراض و مقاصد اور یونٹ کے درسی مواد کا خلاصہ آجائے اور وہ بآسانی سمجھ سکے کہ دوران مطالعہ اس نے کن کن گوشوں پر زیادہ توجہ دینی ہے۔ ہمیں امید ہے کہ طلبہ اس کورس کو پوری توجہ، دلچسپی اور دلجمعی کے ساتھ پڑھیں گے اور نہ صرف یہ کہ خود اس سے مستفید ہوں گے بلکہ اپنے احباب اور عزیز و اقارب کو بھی اس مطالعہ میں شریک کریں گے، اس کورس میں تیاری کے لئے پروفیسر ڈاکٹر محی الدین ہاشمی، ڈین کلیہ عربی و علوم اسلامیہ، وچیئرمین شعبہ فکر اسلامی تاریخ و ثقافت، کلیہ عربی و علوم اسلامیہ کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں۔ آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو اسلاف کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

کورس رابطہ کار

ڈاکٹر محمد ریاض محمود

ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ فکر اسلامی تاریخ و ثقافت،

کلیہ عربی و علوم اسلامیہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

کورس کے مقاصد

امید ہے اس کورس سے متعلق درسی مواد کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ

1. رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ کے مختلف گوشوں کا مطالعہ کر سکیں۔
2. خلفائے راشدین کے نظام حکومت کا جائزہ لے سکیں۔
3. اسلامی تاریخ و ثقافت کے مختلف ادوار کی تفہیم کر سکیں۔
4. عصرِ حاضر کی مسلم دنیا کے احوال سے آگاہ ہو سکیں۔
5. مسلم امہ کو درپیش چیلنجز کا تجزیہ کر سکیں۔

یونٹ نمبر1

مطالعہ سیرت النبی ﷺ

فہرست

یونٹ کا تعارف: 15

یونٹ کے مقاصد: 16

بعثت نبوی ﷺ سے قبل دنیا کی حالت 17

بعثت نبوی ﷺ سے قبل دنیا کی سیاسی حالت 17

بعثت نبوی ﷺ سے قبل دنیا کی معاشرتی واخلاقی حالت 17

بعثت نبوی ﷺ سے قبل دنیا کی مذہبی حالت 18

قبل از بعثت نبوی ﷺ عربوں کے حالات 18

عرب کا سیاسی نظام 18

قبل از بعثت نبوی ﷺ عرب کی معاشرتی حالت 20

عرب کی مذہبی حالت 21

سیرت کا مفہوم اور آغاز وارتقاء 22

سیرت کا مفہوم: 22

سیرت کا آغاز وارتقاء 24

سیرت نبوی ﷺ کی اہمیت 25

سیرت کے اولین مصادر ومراجع 26

سیرتِ نبویؐ کے مطالعہ کی اہمیت وافادیت 28

مطالعہ سیرت کی دینی ومذہبی اہمیت: 28

مطالعہ سیرت کی تشریعی اہمیت 29

مطالعہ سیرت کی اخلاقی اہمیت 29

مطالعہ سیرت کی علمی اہمیت 29

مطالعہ سیرت کی بین الاقوامی اہمیت 30

مطالعہ سیرت کی اہمیت دین اسلام کے آسان ہونے کے حوالے سے 30
رسول اکرم ﷺ کی مکی و مدنی زندگی 31
خاندان 31
ولادت 31
کفالت 31
اہم معاملات قبل از نبوت 32
حرب فجار میں شرکت 32
حلف الفضول 32
تجارت 32
حضرت خدیجہؓ سے شادی 32
تعمیر کعبہ 32
بعثت نبوی ﷺ 33
دعوت اسلام کا آغاز 33
اعلانیہ تبلیغ 34
عام الحزن 35
سفر طائف 35
بیعت عقبہ اولی و ثانیہ 35
ہجرت 36
ہجرت مدینہ 36
قبا میں قیام 37
مسجد نبوی کی تعمیر 37
میثاق مدینہ 37
غزوات نبوی ﷺ کا جائزہ 38

صلح حدیبیہ 40
بیعت رضوان 40
سلاطین کو دعوت اسلام 41
فتح مکہ 42
دعوت و تبلیغ 43
حجۃ الوداع 43 .....
وفات 44
رسول اکرم ﷺ کے اخلاق کریمانہ 45
حسن خلق 45
صداقت اور راست گفتاری 45
عدل وانصاف 46
ایفائے عہد 46
عزم واستقلال 46
جود وسخا 46
غلاموں سے حسن سلوک 46
عاجزی وانکساری 47
تواضع 47
عفوودرگزر 47
صلہ رحمی 47
رحمت وشفقت 47
خود آزمائی 48

یونٹ کا تعارف

بعثت نبوی ﷺ سے قبل پوری انسانیت تاریکی و ظلمت میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اللہ تعالی نے انبیائے کرام علیہم السلام کے ذریعے جو تعلیمات انسانیت کی بہتری اور فلاح کے لیے عطا فرمائی تھیں ان کو فراموش کر دیا گیا تھا۔ اب فقط تحریفات پر مبنی مذاہب، یہودیت و مسیحت وغیرہ پائے جاتے تھے، ان مذاہب کے حاملین نے الہامی کتب میں تحریف کر دی تھی اور ہدایت الٰہی کی جگہ اپنے من پسند عقائد و نظریات کو شامل کر دیا تھا۔ اور ان مذاہب میں کئی فرقے اور مسالک بھی پیدا ہو گئے تھے۔ یہی صورتحال دیگر مذاہب مثلاً مجوسیت، ہندومت، بدھ مت، جین مت، کنفیوشس ازم وغیرہ کی تھی۔

سیاسی اعتبار سے بھی دنیا کی حالت ابتر تھی۔ اس زمانہ میں دنیا میں دو بڑی سلطنتیں روم اور ایران تھیں، باقی ممالک تقریباً انہیں دو کے زیر اثر تھے، ان دونوں سلطنتوں میں آپس میں اکثر لڑائیاں رہتی تھیں، اس لئے رومی اور ایرانی اقتدار زوال پذیر تھا۔ سلطنت روما جس کی بنیاد مسیحیت پر رکھی گئی تھی آپس کے فتنوں اور فرقہ ورانہ آویزشوں سے دوچار تھی۔ جبکہ ایرانیوں کے ساتھ بھی خانہ جنگیوں میں مصروف تھی۔ عام عیسائی معاشرہ تجرد اور رہبانیت میں مبتلا تھا۔ ایران میں مزدک کی عقائد و نظریات نے اباحیت پسندی کی وجہ سے پورے ایرانی معاشرہ کو اخلاقی گراوٹ میں مبتلا کر دیا تھا۔ جبکہ ہندوستان میں انسانی معاشرہ طبقہ واریت، نسلی تعصب اور مذہبی لحاظ سے ضلالت و گمراہی کی پستی میں مبتلا تھا۔

جزیرۃ العرب کی حالت بھی دگرگوں تھی۔ قبائل عرب میں بت پرستی عام تھی۔ قریش مکہ جو کہ اپنے آپ کو ملت ابراہیمی کے نمائندہ شمار کرتے تھے، شعار ابراہیمی سے بہت دور ہو گئے تھے۔ ان میں شرک اور بت پرستی جیسی برائیاں پیدا ہو گئی تھیں۔ معاشرتی و تمدنی لحاظ سے ان کے اندر کئی اخلاقی برائیاں، مثلاً، زناکاری، سود خوری، ڈاکہ زنی، شراب نوشی، قتل وغارت اور کئی دیگر سماجی برائیاں پیدا ہو گئی تھیں۔

الغرض، ظہور اسلام کے وقت سرزمین عرب جس طرح تمدنی، مذہبی، معاشی اور معاشرتی اعتبار سے ظہر الفساد فی البر والبحر کی تفسیر تھی اسی طرح سیاسی لحاظ سے بھی وہاں "ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ" کا مکمل ظہور تھا۔ ایسے میں اللہ تعالی نے اپنی مخلوق پر احسان فرمایا اور اپنے پیارے محبوب حضرت محمد ﷺ کو رسول اور خاتم النبیین بنا کر بھیجا۔ آپ نے اس ظلمت کدہ جہاں کو نور ہدایت سے منور کر دیا۔

اس یونٹ میں رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے قبل کی دنیا کے سیاسی و معاشرتی و مذہبی حالات کا مطالعہ کیا جائے گا۔

یونٹ کے مقاصد

امید ہے کہ اس یونٹ کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ

1. آپ کو رسول اللہ ﷺ کی زندگی اور تعلیمات سے گہرا تعارف حاصل ہو گا۔
2. بعثت نبوی ﷺ سے قبل دنیا کی سیاسی، معاشرتی اور مذہبی صورتحال سے آگاہ ہوں گے۔
3. عرب کے حالات سے آگاہی حاصل ہو گی۔
4. سیرت کا مفہوم اور اس کا آغاز وارتقا جان سکیں گے۔
5. سیرت نبوی ﷺ کی اہمیت اور اس کے مصادر سے متعلق معلومات حاصل کر سکیں گے۔
6. رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے مکی و مدنی دور کو جانچ سکیں گے۔
7. رسول اللہ ﷺ کے اخلاقِ کریمانہ کا مطالعہ کر سکیں گے۔

بعثت نبوی ﷺ سے قبل دنیا کی حالت

بعثت نبوی ﷺ سے قبل دنیا کی سیاسی حالت

بعثت نبوی سے قبل سیاسی اعتبار سے چھٹی صدی عیسوی، میں دنیا کی سیاسی حالت بہت ابتر تھی۔ آمریت اور مطلق العنانی بالکل عام تھی۔ مختلف علاقوں اور ملکوں میں مخصوص خاندان، سلاطین اور چھوٹے چھوٹے گروہ حکمرانی کر رہے تھے۔ عدل وانصاف کے بجائے ظلم وجبر، فتنہ وفساد عام تھا۔ حکمرانی کی غرض وغایت عوام کی خوشحالی اور فلاح وبہبود نہ تھی۔ بلکہ مقصود ستم ڈھانا اور ان کی کمائی سے سامانِ عیش فراہم کرنا تھا۔ پوری دنیا میں ان ہی "اصولوں" کا دور دورہ تھا اور اس کے نتیجہ میں ایران وروم، چین وہندوستان اور دوسری حکومتوں کا سیاسی نقشہ بگڑ چکا تھا۔ خانہ جنگیوں کا سلسلہ روز افزوں تھا۔

بعثت نبوی ﷺ سے قبل دنیا کی معاشرتی واخلاقی حالت

بعثت نبوی ﷺ سے قبل معاشرتی اور اخلاقی لحاظ سے دنیا کی حالت انتہائی پستی کو پہنچ گئی تھی۔ انسانی معاشرہ مختلف طبقات میں بٹ چکا تھا۔ اخلاقی امراض نے انسانی جسم کو بے جان کر دیا تھا۔ معاشرہ انسانی عیش وعشرت، حرص وہوس اور لذت نفس کی تسکین میں مبتلا ہو چکا تھا۔ معاشرہ انسانی کا ایک طبقہ غلامی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا درندوں سے بدتر زندگی گزارنے پر مجبور تھا۔ غرض ہر طرف اجتماعی بدنظمی وانتشار اور اخلاقی تنزل وزوال برپا تھا۔

"حکمراں اور مقتدر طبقہ کی عیش پرستی اور دولت مندی نے پورے انسانی معاشرہ کو مختلف طبقوں میں تقسیم کر دیا۔ انہوں نے ساری لذتوں اور راحتوں کو اپنے لیے مخصوص کرنے کے لیے قوانین بنائے، ظلم وتشدد کیا۔ لوگوں کو حقوق سے محروم رکھا اور انہیں ذلیل وکمتر سمجھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اونچ نیچ کا فرق، طبقوں کا تفاوت اور پیشوں کی تقسیم انسانی معاشرہ اور نظام زندگی کا اٹل قانون بن گیا مثلاً ایران میں حکومت کی طرف سے عوام الناس کو ممانعت تھی کہ وہ طبقہ امراء میں سے کسی کی جائیداد کو خرید سکیں۔ سیاست ساسانی کا یہ محکم اصول تھا کہ کوئی شخص اپنے اس رتبہ سے بلند تر رتبہ کا ہرگز خواہاں نہ ہو جو اس کو پیدائشی طور پر یعنی ازروئے نسب حاصل ہے۔ کوئی شخص مجاز نہ تھا کہ سوائے اس پیشہ کے جس کے لیے خدا نے اسے پیدا کیا ہے کوئی دوسرا پیشہ اختیار کر سکے۔ شاہان ایران حکومت کا کوئی کام کسی نیچ ذات کے سپرد نہ کرتے تھے سوسائٹی میں ہر شخص کی ایک جگہ معین تھی"۔

بعثت نبوی ﷺ سے قبل دنیا کی مذہبی حالت

بعثت نبوی ﷺ سے قبل جو اہم مذاہب دنیا میں موجود تھے، ان میں سے زرتشت، عیسائیت' یہودیت' ہندومت اور بدھ مت قابل ذکر ہیں۔ مجوسی مذہب ایرانیوں کا تھا جس کا دائرہ عراق سے لے کر ہندوستان کی سرحدوں تک محیط تھا۔ عیسائیت رومیوں کا مذہب تھا جو یورپ' ایشیا اور افریقہ تینوں براعظموں کو گھیرے میں لئے ہوئے تھا' ہندومت ہندوستان اور اس کے گردونواح میں پھیلا ہوا تھا۔ بدھ مت بھی ہندوستان' چین' تبت اور جنوبی ایشیا کی اقوام کا مذہب تھا۔ یہودیت کا کہیں ٹھکانہ نہ تھا۔ یہودی مختلف علاقوں میں تھوڑے تھوڑے بکھرے ہوئے تھے۔

قبل از بعثت نبوی ﷺ عربوں کے حالات

لفظ عرب کے لغوی معنی ہیں صحرا اور بے آب و گیاہ زمین۔ عہد قدیم سے یہ لفظ جزیرہ نما عرب اور اس میں بسنے والی قوموں پر بولا گیا ہے۔ عرب کے مغرب میں بحر احمر اور جزیرہ نمائے سینا ہے۔ مشرق میں خلیج عرب اور جنوبی عراق کا ایک بڑا حصہ ہے۔ جنوب میں بحر عرب ہے۔ جو درحقیقت بحر ہند کا پھیلاؤ ہے۔ شمال میں ملک شام اور کسی قدر شمالی عراق ہے۔ کل رقبے کا اندازہ دس لاکھ سے تیرہ لاکھ مربع میل تک کیا گیا ہے۔

مؤرخین نے نسلی اعتبار سے عرب اقوام کی تین قسمیں قرار دی ہیں۔

1. **عرب بائدہ**۔ وہ قدیم عرب اور قومیں جو اب ناپید ہو گئیں اور ان کے بارے میں تفصیلات دستیاب نہیں۔ مثلاً: عاد۔ ثمود، طَسْم، جَدِیس، عَمَالِقَہ، وغیرہ
2. **عرب عارِبہَ**۔ وہ عرب قبائل جو یَعْرُب بن یشجب بن قحطان کی نسل سے ہیں۔ انہیں قحطانی عرب کہا جاتا ہے۔
3. **عرب مُسْتَعْرِبہ**۔ وہ قبائل جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔ انہیں عدنانی کہا جاتا ہے۔

عرب کا سیاسی نظام

عرب کے لوگ بہت سے قبیلوں میں منقسم تھے' اور ہر قبیلہ کا سردار الگ الگ ہوتا تھا۔ یہ سردار اگرچہ بادشاہ نہیں ہوتے تھے مگر اپنے اپنے قبیلہ میں انہیں وہی رتبہ اور اختیارات حاصل ہوتے تھے جو بادشاہوں کو حاصل ہوتے ہیں۔

رسول اکرم ﷺ کی پیدائش کے وقت مکہ معظمہ کے سردار آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب تھے۔ اس کے علاوہ روم اور ایران کی سرحدوں پر بسنے والے بعض عرب قبیلوں میں باقاعدہ ریاستیں بھی قائم تھیں، مگر ان کے رئیس روم اور ایران کے بادشاہوں کے ماتحت ہوتے تھے۔

تاریخ سے اس بات کا پتہ نہیں چلتا کہ اسلام سے پہلے عرب کے جزیرہ نما میں کبھی بھی ایک ملک گیر اور مرکزی حکومت قائم ہوئی ہو۔ البتہ کبھی خاصی وسیع سلطنتیں وجود میں ضرور آئیں۔ کندہ والوں نے حضرموت سے حیرہ تک یعنی عرب کے جنوب سے شمال تک کچھ دنوں تک ایک حکومت قائم کرلی تھی۔ یا دوسری قدیم ترین حکومتیں مثلاً معینی حکومت، سبائی حکومت، حمیری حکومت، قتبانی حکومت، نابتی حکومت وغیرہ جن کا غلبہ اور وجود ایک عرصہ تک قائم رہا۔

ظہور اسلام کے وقت یہ تمام حکومتیں تباہ و برباد ہو چکی تھیں صرف عراق و شام کی سرحدوں پر دو حکومتیں آل منذر اور آل غسان موجود تھیں۔ مگر ان دونوں حکومتوں کا ملک کے اندرونی نظم و نسق کی تاریخ پر کوئی اثر نہیں پڑا۔

عرب میں بعض مقامات پر ایران و روما کے باجگذار حکمران اور بعض جگہوں پر خود مختار اور آزاد چھوٹی چھوٹی شہری مملکتیں قائم تھیں۔ چنانچہ مکہ، مدینہ، طائف، ینبوع، جرش، صنعا، عدن، صحار، دبا، یمامہ، فیدو نجد، دومتہ الجندل، خیبر، فدک، ایلہ اور مشرق ساحل پر اچھی خاصی بستیاں تھیں جو کم و بیش شہری مملکتیں کہی جاسکتی تھیں۔

مگر ان سب سے زیادہ مشہور و معروف اہم اور منظم ترین مکہ کی شہری مملکت City State of Mecca تھی جسے حضور اکرم ﷺ کے جد امجد قصی بن کلاب نے مکہ پر قبضہ کر کے 440ء میں قائم کیا تھا۔ قصی نے مملکت کے نظم و نسق کو بہترین حالت میں قائم رکھنے کے لیے مختلف محکموں کو قائم کیا۔ ان کے زمانے میں مندرجہ ذیل عہدوں کا پتہ چلتا ہے۔

حجابه (کعبہ کی دربانی) **سقایه** (حاجیوں کو پانی پلانا) **رفاده** (حاجیوں کے لیے کھانے کا انتظام) **لواء** (جھنڈا، جنگی عہدہ)، **ندوه** (شوریٰ) **قیاده** (جنگ میں لشکر کی قیادت) **قبه** (شامیانہ، جنگی عہدہ) **اعنه** (گھوڑے کی لگام) **اموال المحجره** (چڑھاوے کا مال) **حکومه- اسفاره-اعقاب جهنڈا-سدانه** (کعبہ کی رکھوالی) **اعمارة** (حرم کعبہ کا عام انتظام) **افاضه، اجازه - نسی** (مہینے بدل دینا)۔

یہ تمام عہدے قریش کی مختلف شاخوں میں تقسیم تھے۔ اس کی وجہ سے مختلف شاخوں کو مختلف شاخوں پر سیاسی، مذہبی برتری حاصل تھی۔ خصوصاً تولیت کعبہ ایک ایسا معزز عہدہ تھا جس کی وجہ سے حامل عہدہ کی نہ صرف مکہ بلکہ پورے عرب میں مذہبی وسیاسی برتری تسلیم کی جاتی تھی۔ ظہور اسلام کے وقت بھی یہی حال تھا۔ تولیت کعبہ کی وجہ سے قریش کو پورے عرب پر مذہبی برتری حاصل تھی۔ یوں عقاب کا عہدہ، بنی امیہ میں، سقایہ اور عمارہ، بنی ہاشم میں، رفادہ، بنی نوفل میں اور سفارت وغیرہ بنی عدی میں اور اسی طرح مختلف عہدے مختلف قبائل میں بٹے ہوئے تھے۔

ملک میں بیسیوں قبائل آباد تھے۔ چنانچہ شمالی عرب میں مختلف قبائل کی الگ الگ ٹولیاں تھیں۔ جو دن رات خانہ جنگیوں میں مبتلا رہتی تھیں بکر و تغلب کی چالیس سالہ جنگ کا ابھی خاتمہ ہی ہوا تھا اور حضر موت کے قبائل کٹ کٹ کر فنا ہو چکے تھے۔ خاص حرم اور شہر حرام میں بنو قیس اور قریش کے درمیان حرب فجار کا سلسلہ جاری تھا۔ آبادی میں بدوی اور حضری کی تقسیم تھی۔ پہاڑوں اور صحراؤں میں خود مختار اور جرائم پیشہ قبائل آباد تھے۔ اور تمام قبائل جنگ کی نہ ختم ہونے والی زنجیروں میں جکڑے تھے، جس طرح گھر گھر کا الگ الگ خدا تھا اسی طرح قبیلے قبیلے کا جدا جدا رئیس تھا۔

موالی بنانے اور قبائل کو حلیف بنانے کا طریقہ رائج تھا۔ کسی قبیلہ کے خلاف کوئی بیرونی حاکم کس طرح کا اختیار سماعت نہ رکھتا تھا۔ بعض قومی قبیلے کمزور قبیلوں کو زیر کر کے ان سے خراج وصول کرتے تھے۔ قبائل پر بیرونی اثرات بھی ہوتے تھے مگر ایک بہترین قبیلہ بیرونی اثر سے بالکل آزاد ہوتا تھا۔

قبل از بعثت نبوی ﷺ عرب کی معاشرتی حالت

جزیرۃ العرب کے باشندے اسلام سے قبل وہاں سینکڑوں برس سے رہتے بستے آئے تھے۔ ایران، روم اور مصر جیسے متمدن ملکوں کی ہمسائیگی حاصل تھی اور ارد گرد کی مذہبی اقوام سے تجارت وسفارت کا سلسلہ قائم تھا۔ لیکن تہذیب و تمدن کی دوڑ میں ابھی بہت پیچھے تھے۔ اس معاشرتی پستی کا سبب غالباً عرب کے خاص جغرافیائی حالات تھے کیونکہ جس ملک کا تین چوتھائی حصہ لق دق تپتے ہوئے صحراؤں، بے آب و گیاہ ریگستانوں، خشک پہاڑوں اور ندی نالوں پر مشتمل ہو وہاں وسائل زندگی بھلا آسانی سے کہاں میسر آسکتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ عربوں کی بڑی تعداد خانہ بدوشانہ زندگی گزارنے پر مجبور تھی اور کسی ایک جگہ مستقلاً رہائش اختیار کر کے متمدن اقوام کی طرح صنعت و حرفت یا زراعت میں مشغول ہونے

کی خواہش مشکل سے ہی پوری ہو سکتی تھی۔ پھر رہائش کے اعتبار سے بھی عرب کی آبادی دو حصوں میں منقسم تھی۔ حضری اور بدوی، شہروں میں رہنے والوں کو حضری اور صحراؤں میں بسنے والوں کو خانہ بدوش یا بدوی کہا جاتا تھا۔

شہری ایسی جگہوں پر آباد تھے جہاں کچھ نخلستان تھے وہ لوگ عموماً تجارت کیا کرتے تھے۔ چونکہ وسائل معاش کی تنگی پورے عرب میں تھی اس لیے خانہ بدوش قبائل اور ایک مقام پر مستقل رہنے والوں میں معاشرتی اعتبار سے زیادہ فرق نہیں تھا۔ بود وباش، رہن سہن، رسم و رواج وغیرہ سب یکساں تھے۔ اہل عرب میں سے بڑی تعداد بدویانہ طریق زندگی کو اپنائے ہوئے تھی۔ بدو قبائل کے مقابلہ میں شہری قبیلوں کی سماجی زندگی زیادہ مہذب و متمدن تھی۔ اس میں ان کے اقتصادی نظام کی لائی ہوئی خوشحالی کو دخل تھا۔ تجارت، حرفت اور زراعت کے سبب ان کے پاس کافی دولت جمع ہو گئی تھی۔ بعض لوگ تو سودی کاروبار کرنے لگے تھے، ان میں مکہ، مدینہ اور طائف وغیرہ کے عرب اور یہودی تاجر دونوں لگے ہوئے تھے۔ وہ کچے پکے مکانات میں رہتے تھے۔ جو بڑے اور کشادہ ہوتے تھے۔ اوسط درجہ اور غریب لوگوں کے کچے اور چھوٹے۔ ان کی غذا میں دودھ، مکھن، گوشت، اناج، کھجور وغیرہ شامل تھیں۔ امیر لوگ گیہوں استعمال کرتے تھے، جب کہ دوسرے طبقہ کے لوگ جو وغیرہ پر گذارا کرتے تھے۔ امیروں کا لباس عمدہ سوتی اور ریشمی کپڑے کا ہوتا تھا اور دوسرے لوگ موٹے کھردرے اونی کمبل کا بنا ہوا لباس استعمال کرتے۔ ان کے گھروں میں ضرورت اور آسائش کی کافی چیزیں ہوتی تھیں، چارپائی یا تخت اور گدے لحاف، تکیے اور کمبل سونے کے لیے ہوتے تھے، کھانے کے کئی برتن ہوتے تھے اور پکانے کے لیے بھی، وہ پتھر، لکڑی اور دھات کے بنے ہوئے تھے، گھروں میں دروازے ہوتے تھے، جن پر پردے لٹکانے جاتے تھے، رات میں روشنی کے لیے چراغ جلاتے تھے۔ سواری کے لیے عام جانور اونٹ تھا۔ لیکن ان کے علاوہ خچر، گدھا، اور گھوڑا بھی استعمال ہوتا تھا۔ ان کی قیمتیں زیادہ ہوتی تھیں، اور کم بھی۔ آمدنی کے لحاظ سے عرب سماج کے طبقات ان کا استعمال کرتے تھے۔

عرب کی مذہبی حالت

عرب کے علاقہ میں مختلف مذہبی اور فلسفیانہ عقائد کے پیروکار موجود تھے، جن میں مشرکین، ملحدین، بت پرست، آتش پرست، صابی، حنفاء، یہود اور عیسائی شامل تھے۔ ملحدین وہ لوگ تھے جو نہ تو خالق کائنات کو تسلیم کرتے تھے اور نہ ہی بعث بعد الموت یا آخرت پر یقین رکھتے تھے؛ ان کا کہنا تھا کہ "ہمیں فطرت نے پیدا کیا اور زمانہ ہمیں فنا کر دے گا"۔ کچھ افراد ایسے بھی تھے جو خالق کی موجودگی کے قائل تھے مگر بعث بعد الموت کے منکر تھے، مشرکین

عرب کی قدیم اقوام جیسے عاد، ثمود وغیرہ میں بت پرستی کا رواج تھا، اور یہ عقیدہ عرب، عراق، شام اور مصر میں بھی پھیلا۔ مجوسیت ایرانیوں کا سرکاری مذہب تھا جس کے اثرات یمن، بحرین اور دیگر عرب علاقوں میں محسوس کیے گئے، حالانکہ عربوں پر مذہبی اثرات کم تھے۔ صابی ستارہ پرستی کے پیروکار تھے اور عربوں میں خاص طور پر یمن کے قحطانیوں میں یہ عقیدہ عام تھا۔ حنفاء وہ لوگ تھے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعلیمات سے متاثر تھے مگر بت پرستی کے خلاف تھے۔ یہود کی آبادی مدینہ اور دیگر علاقوں میں موجود تھی، جبکہ عیسائی عربوں میں رومی حکومت کے اثر سے پھیل گئے تھے۔ ان تمام مذاہب کی موجودگی نے عرب کی سیاسی، معاشی اور مذہبی حالت کو متاثر کیا، لیکن اس کے باوجود عربوں کی کچھ خصوصیات تھیں جو انہیں پوری انسانیت کی رہنمائی کے اہل بناتی تھیں۔

سیرت کا مفہوم اور آغاز وارتقاء

سیرت کا مفہوم:

لفظ "سیرت" عربی زبان کے لفظ "سیر" سے مشتق ہے، جس کے حروف اصلیہ (س، ی، ر) ہیں۔ اس کا بنیادی مفہوم "جانا، لے جانا، چلنا، چلانا، منزل اور مسافت" ہے۔ "سیر" کا مطلب دن اور رات کو چلنے کے عمل سے ہے، جبکہ "سریٰ" صرف رات کو چلنے کی وضاحت کرتا ہے۔ جب لوگ اپنی منزل کی طرف طویل سفر کرتے ہیں تو کہا جاتا ہے کہ "اللہ پاک تیرے جانے میں برکت دے"۔ قرآن مجید میں بھی اس لفظ کی مختلف صورتیں ملتی ہیں، جیسے:

{وَّقَدَّرْنَا فِيْهَا السَّيْرَ} - "ہم نے منزلیں مقرر کر دی تھیں ان میں آنے جانے کی"۔

{وَّتَسِيْرُ الْجِبَالُ سَيْرًا} - "اور پہاڑ (اپنی جگہ چھوڑ کر) تیزی سے چلنے لگیں گے"۔

{فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖ} - "پھر جب موسیٰ علیہ السلام نے مقررہ مدت پوری کر دی اور وہاں سے چلے اپنی اہلیہ کو ساتھ لے کر"۔

{اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ} - "کیا یہ (منکر) لوگ سیر و سیاحت نہیں کرتے زمین میں"، جو قرآن میں سات مقامات پر ذکر ہوا ہے۔

{فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ} - "تم زمین میں چل کر دیکھو"۔

یہ تمام مثالیں سیرت کے لغوی معنی کی وضاحت کرتی ہیں۔

سیرت کا اصطلاحی مفہوم مختلف پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے، جن میں سنت، طریقہ، ہیئت و حالت، خصلت و عادت، کردار، طرز زندگی، عزت و ناموس، معاملات، مغازی، جہاد، طریقہ جنگ، قواعد و ضوابط، بین الاقوامی معاملات، سوانح حیات، کہانی، مذہب اور تذکرہ اسلاف شامل ہیں۔ ابن منظور اپنی لغت میں بیان کرتے ہیں کہ سیرت کے معانی سنت اور طریقہ کے ہیں؛ یہ کہا جاتا ہے کہ وہ کسی کے اچھے طریقے پر چلا۔ اس طرح سیرت کا مفہوم انسانی کردار اور زندگی کے مختلف پہلوؤں کی عکاسی کرتا ہے۔

لفظ مغازی کا مفہوم:

لفظ "**غزو**" (**غزا، یغزو، غزواً، وغزوات**) عربی زبان میں "ارادہ کرنا" اور "طلب کرنا" کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، جبکہ شرعی اصطلاح میں اس کا مطلب کفار سے جنگ کا ارادہ کرنا ہے۔ ابن حجر لکھتے ہیں کہ "غزو" کا لغوی معنی قصد و ارادہ ہے، اور یہاں "مغازی" سے مراد نبی کریم ﷺ کا اپنے لشکر کے ساتھ کفار کی طرف نکلنا ہے، چاہے وہ ان کے شہروں کی طرف ہو یا دیگر مقامات کی طرف جہاں کافر مقیم ہوں۔ ابتدائی طور پر لفظ "مغازی" محدود معنی میں استعمال ہوتا تھا، لیکن بعد میں اس کے معنی میں وسعت پیدا ہوئی اور یہ کتب سیرت پر بھی لاگو ہونے لگا۔

مغازی کی اصطلاح میں عروہ بن زبیر، ابان بن عثمان، محمد بن شہاب زہری، ابن اسحاق، موسیٰ بن عقبہ اور واقدی جیسے محدثین کی روایات شامل ہیں۔ صاحب تاج العروس نے بیان کیا ہے کہ لفظ "سیرت" کو مغازی کے اصطلاحی مفہوم کے لیے استعمال کیا گیا کیونکہ امور مغازی میں سب سے پہلا کام "سیر الی العدو" یعنی دشمن کی طرف چلنا ہے۔ جب یہ لفظ قرآن کی اصطلاح "جہاد" کے ساتھ جڑا تو یہ لفظ (سیرت) جہاد کے معنی کے لیے بھی استعمال ہونے لگا۔

سیرت اور مغازی کے تعلق کو بیان کرتے ہوئے صاحب "الکفایہ" لکھتے ہیں کہ مغازی کو "سیر" کا نام اس لیے دیا گیا کیونکہ اس کے اولین امور میں دشمن کی طرف جانا شامل ہے۔ محدثین اور فقہا کے ہاں لفظ "سیرت" کو مغازی اور جہاد کے معانی میں استعمال کیا جاتا ہے۔ امام مسلم نے اپنی "صحیح" میں "کتاب الجہاد والسیر"، علامہ ابن حجر عسقلانی نے "فتح الباری فی شرح البخاری" میں "کتاب المغازی"، اور علامہ ابن الہمام حنفی نے "فتح القدیر" میں "کتاب السیر" کے عنوانات قائم کیے ہیں۔

علامہ بابرتی نے نقل کیا ہے کہ سیرت اصل میں سیر کی حالت کو بیان کرتی ہے، اور شریعت میں عام طور پر سیرت کا اطلاق غزوات اور ان کے متعلقہ امور پر ہوتا ہے۔ قاضی عبدالنبی نے سیرت کے اصطلاحی مفہوم کو بیان کرتے ہوئے کہا کہ یہ لفظ حالت کے بیان کے لیے آتا ہے، جیسے "جلسہ" بیٹھنے کی حالت کو بیان کرتا ہے۔

ابتداءً لفظ "سیرت" اپنے اصلاحی مفاہیم میں مغازی کے مفہوم سے خاص رہا، جس کی وجہ سے اولین کتب مغازی کو بھی "کتب سیرت" کہا جاتا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ یہ لفظ اپنے معنوی اقتضاء کے پیش نظر ترقی کرتا رہا اور اس ضمن میں قصص، اسلاف کے تذکرے اور بالخصوص سیرت نبویؐ کے تمام گوشے بیان کیے جانے لگے۔ صاحب "القاموس الاسلامی" لکھتے ہیں کہ جب سیرت کا لفظ مفرد معرفہ آتا ہے تو اس سے بالخصوص سیرت نبویؐ مراد ہوتی ہے، یعنی رسول کریم ﷺ کی حیات کا ذکر، آپ ﷺ کے فضائل، احوال اور عادات شامل ہیں۔

سیرت کا آغاز وارتقاء

عام طور پر علم سیرت کو، علم حدیث کا ہی ایک شعبہ اور اس کی ایک نوع قرار دیا جاتا ہے کیونکہ اس میں بھی نبی کریم ﷺ کے اقوال، افعال اور تقریرات کا بیان ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام حاکم نے "**النوع الثامن والاربعون**" کے تحت لکھا ہے۔

"علوم حدیث کی اقسام میں یہ (اڑتالیسویں) قسم ان امور کی معرفت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے مغازی وسرایا بعوث اور مشرک بادشاہوں کی طرف خطوط میں کیا صحیح ہے اور کیا شاذ ہے"۔

اسی طرح دیگر اصحاب علم وفن نے فن سیر ومغازی کو علم حدیث کی ایک نوع قرار دیا ہے۔ جب ان کے بیانات میں غور کیا جاتا ہے تو یہ بات واضح سمجھ آتی ہے کہ انھوں نے امور شرعیہ میں سے ایک امر خاص یعنی مغازی وسرایا کو پیش نظر رکھتے ہوئے اسے فن حدیث کا ایک شعبہ گردانا ہے۔ اب جب فن سیر ومغازی اپنے معنوی ارتقائی منازل طے کرتے ہوئے اس مقام پر پہنچ چکا ہے کہ شاہ عبدالعزیز دہلوی کے بیان کے مطابق جو کچھ ہمارے پیغمبر ﷺ، حضرات صحابہ کرام اور ان مبارک ہستیوں کے وجود کے ساتھ متعلق ہو اور آپ ﷺ کی پیدائش سے وفات تک کے واقعات پر مشتمل ہو اسے سیرت کہتے ہیں۔ لہذا حضور ﷺ کا ہر ہر قول، فعل، اور تقریر سیرت ٹھہرا، آپ کے

اقوال، افعال، اور تقاریر پر حدیث کا اطلاق صادق ہے، لہذا حدیث اور سیرت میں زیادہ تفاوت نہیں۔ البتہ ان کے مابین عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے۔

اس بات کی توضیح یوں بھی کی جاسکتی ہے کہ وہ امور شرعیہ جن کو احکام و فرائض کا نام دیا جاتا ہے، مثلاً نماز ،روزہ، حج اور زکوۃ وغیرہ۔ ان کا حکم منجانب اللہ ہے مگر ان کے شرائط وارکان اور ادائیگی کا طریقہ سیرت رسول ﷺ سے میسر آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ متاخرین کی کتب سیرت میں ارکان اسلام سمیت آپ کی ذات سے نسبت رکھنے والی ہر ہر چیز کو بیان کیا جاتا ہے۔

سیرت نبوی ﷺ کی اہمیت

سیرت نبوی ﷺ کا مطالعہ صرف تاریخی حالات وواقعات کی آگاہی تک محدود نہیں ہے، بلکہ اس کا اصل مقصد یہ ہے کہ وہ دینی احکام اور اصول جو ہمیں قرآن و سنت سے حاصل ہوتے ہیں، ان کا عملی نمونہ آپ ﷺ کی ذات میں دیکھا جاسکے۔ یہی اسلام کی روح اور حقیقت ہے۔ در حقیقت، شرعی احکام کو عملی جامہ پہنانا اس وقت تک ممکن نہیں جب تک نبی رحمت ﷺ کی سیرت طیبہ کو پیش نظر نہ رکھا جائے، کیونکہ قرآن سے سنت کی عملی مطابقت کو سیرت نبوی ﷺ کہا جاسکتا ہے۔

سیرت نبوی ﷺ کی ضرورت واہمیت کو درج ذیل نکات کے ذریعے واضح کیا جاسکتا ہے:

نبی کریم ﷺ کا مقام: آپ ﷺ نہ صرف اپنی امت کے سردار ہیں بلکہ اللہ پاک کے منتخب رسول ہیں جنہیں وحی الٰہی کے ساتھ توفیق و تائید حاصل ہے۔

کامل نمونہ: آپ ﷺ کی زندگی کے تمام معاملات میں ہادی اعظم کی ذات ایک مکمل نمونہ فراہم کرتی ہے جسے انسان اپنے روزمرہ کے معاملات میں اپناتے ہوئے اپنی زندگی کو عمدہ طریقے سے بسر کرسکتا ہے۔

قرآن فہمی: سیرت مصطفوی انسان کو قرآن فہمی اور روحانی ومادی اسرار و معارف کے حصول میں مدد دیتی ہے، کیونکہ بہت سی آیات کی وضاحت ان واقعات سے ہوتی ہے جو رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں پیش آئے۔

اسلامی اقدار: سیرت مصطفوی سے تہذیب و تمدن کی صحیح اسلامی قدریں حاصل ہوتی ہیں جو احکام، اخلاق اور عقیدے سے متعلق ہیں۔

تعلیم و تربیت: معلمین و مبلغین اسلام کے لیے آپ ﷺ کی تعلیم و تربیت ایک زندہ جاوید نمونہ فراہم کرتی ہے، کیونکہ آپؐ نے اپنی دعوت کے مختلف مراحل میں عمدہ طریقے اختیار کیے۔

انسانیت کا احاطہ: سیرت نبوی ﷺ انسانیت کے انفرادی اور اجتماعی تمام پہلوؤں کو محیط کرتی ہے۔

سیرت کے اولین مصادر و مراجع

سیرت النبی ﷺ کے اولین مصادر کے سلسلے میں درج ذیل ملخص بحث سے معلومات حاصل کی جاسکتی ہیں۔ البتہ تفصیلی بحث کے لیے سیرت النبیؐ پر مختلف مصنفین جن میں سے چند کے نام درج ذیل ہیں، ان کی کتب سے معلومات حاصل کی جاسکتی ہیں، مولانا عاشق الٰہی میرٹھی، مولانا ادریس کاندھلوی، قاری محمد طیب، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، مولانا سید مناظر احسن گیلانی، مولانا محمد میاں، مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی، ان حضرات کے علاوہ دیگر مصنفین کی کتب سے بھی استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

قرآن مجید: قرآن مجید سیرت کے ماخذ میں سب سے پہلا اور مستند ترین مصدر ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول مکرم ﷺ کے قلب اقدس پر نازل کیا۔ یہ قرآن آپؐ کی سیرت طیبہ کا عادلانہ گواہ ہے، جس میں مختلف آیات اور ان کے شان نزول آپ ﷺ کی حیات طیبہ کے متعدد گوشوں کو ظاہر کرتے ہیں۔ قرآن میں بعثت، ہجرت، غزوات، سرایا، غنائم، انفال، فئے اور جہاد و قتال سے متعلق امور کا بیان موجود ہے، جو آپؐ کی سیرت پر دلالت کرتے ہیں۔

عہد نبوی کا تحریری سرمایہ: رسول اللہ ﷺ کی سیرت کو تحریری طور پر محفوظ کرنے کا آغاز ہجرت سے ہوا۔ ہجرت کے دوران آپ ﷺ نے سراقہ بن جعشم کو امان نامہ لکھنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد مہاجرین، انصار اور یہود کے درمیان تحریری معاہدہ طے پایا، جسے تاریخ کا پہلا تحریری دستور قرار دیا گیا۔ مدینہ منورہ میں آپ ﷺ نے مردم شماری کرائی اور جہاد کے بعد حاصل ہونے والے مال غنیمت کا باقاعدہ حساب رکھا جاتا تھا۔

خطوط کی صورت میں سرمایہ سیرت: عہد رسالت میں آپ ﷺ نے مختلف سلاطین کو دعوت اسلام دینے کے لیے خطوط تحریر کیے۔ ان خطوط میں اسلامی احکام، نکاح، زکوۃ اور دیگر اہم مسائل شامل تھے۔ یہ خطوط سیرت کا ایک عظیم تحریری سرمایہ فراہم کرتے ہیں۔

عہد و مواثیق کی صورت میں سرمایہ سیرت: ہجرت کے بعد آپ ﷺ نے عرب قبائل سے تحریری معاہدات کیے تاکہ مدینہ کو امن کا گہوارہ بنایا جاسکے۔ یہ معاہدات تاریخ و سیرت کی معتبر کتابوں میں محفوظ ہیں۔

عہد خلفائے راشدین کا تحریری سرمایہ سیرت: اس دور میں مختلف قوموں اور حکومتوں کے ساتھ تحریری معاہدات ہوئے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی اہل خفاش کے نام ایک خط بھیجا جس میں انہیں جزیہ دینے کا حکم دیا۔

عہد صحابہ و تابعین کا تحریری سرمایہ سیرت: اس دور میں بھی علم کو تحریر کرنے کا سلسلہ جاری رہا۔ صحابہ کرام نے اپنی مرویات کو لکھا اور تابعین نے بھی ان روایات کو محفوظ کیا۔

مدینہ منورہ علم سیرت و مغازی کا پہلا مرکز تھا جہاں طلباء اس علم کی تحصیل کے لیے آتے تھے۔ امام سفیان بن عیینہ نے فرمایا کہ "جو مغازی سیکھنا چاہے وہ مدینہ کا رخ کرے"۔ اس طرح علم سیرت و مغازی کی بنیادیں مدینہ منورہ میں رکھی گئیں، جو آج بھی مسلمانوں کے لیے ایک اہم علمی مرکز ہے۔

مدینہ منورہ علم سیرت اور مغازی کا ابتدائی مرکز اور پہلی درس گاہ ہے، جہاں طلباء کو اس علم کی تحصیل کے لیے مشائخ کی جانب سے خاص طور پر مدینہ جانے کی ہدایت کی جاتی تھی۔ امام سفیان بن عیینہ نے کہا: "جو مغازی سیکھنا چاہے، وہ مدینہ کا رخ کرے"۔ یہاں سے علم سیرت و مغازی کو مستقل فن کی حیثیت حاصل ہوئی، اور تقریباً پہلی صدی کے نصف میں تین اہم شخصیات نے اس فن میں کتابیں مرتب کیں: عروہ بن زبیر (متوفیٰ-94ھ)، ابان بن عثمان (متوفیٰ-105ھ)، اور محمد بن شہاب زہری (متوفیٰ-124ھ)۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بھی کئی ایسے افراد تھے جو سیرت و مغازی کی روایات بیان کرتے تھے۔ مثلاً:

حضرت صہیب بن سنان رومی رضی اللہ عنہ: آپ نے تقریباً تمام غزوات میں شرکت کی اور صرف غزوات کی حدیثیں بیان کرتے تھے۔

حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ: غزوہ بدر میں عفراء کے بیٹے معاذ اور معوذ کی بہادری کا واقعہ بیان کرتے تھے۔

حضرت سعد بن سہل رضی اللہ عنہ: غزوۂ احد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زخموں کے علاج کے بارے میں معلومات فراہم کرتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا: آپ سے سیر کے متعدد واقعات منقول ہیں، خاص طور پر واقعہ افک۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ: آپ سترہ غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے اور ان غزوات کے احوال بیان کرتے تھے۔

مزید بر آں، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ مختلف موضوعات پر درس دیتے تھے، جب کہ عکرمہ مولیٰ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سیر و مغازی کے بہترین عالم سمجھے جاتے تھے۔ زین العابدین علی بن حسین رضی اللہ عنہ نے بھی مغازی کی تعلیم دی، جس کا اندازہ ان کے قول سے ہوتا ہے کہ "ہم لوگ مغازی کی تعلیم دیتے تھے جیسے قرآن مجید کی سورۃ کی تعلیم دیتے ہیں"۔

یہ ابتدائی شخصیات علم سیرت و مغازی کے فروغ میں اہم کردار ادا کرتی رہیں، جس سے بعد میں آنے والی نسلوں کو اس علم کی روشنی ملی۔ ان شخصیات کی محنت اور کوششوں نے سیرت نبوی ﷺ کو محفوظ کرنے اور اس علم کو پھیلانے میں مدد فراہم کی، جو آج بھی مسلمانوں کے لیے ایک قیمتی سرمایہ ہے۔

سیرتِ نبویؐ کے مطالعہ کی اہمیت وافادیت

مطالعہ سیرت کی دینی ومذہبی اہمیت:

اللہ تعالیٰ نے انسان پر بے شمار احسانات کیے ہیں، جن میں سب سے بڑا احسان نبی آخر الزماں ﷺ کی بعثت ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَۚ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾[آل عمران: 164]

"اللہ نے مومنوں پر بڑا احسان فرمایا جب انہی میں سے ان کے درمیان ایک رسول مبعوث فرمایا"۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی ہدایت اور تعلیمات ہی ہیں جو انسانیت کو گمراہی سے نکال کر راہ راست پر لاتی ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا ہے، جیسا کہ فرمایا: ﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾ [النساء: 80] ۔ "کہ جس نے رسول کی اطاعت کی، اس نے درحقیقت اللہ ہی کی اطاعت کی"۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ نیک اعمال اس وقت شرف قبولیت حاصل کر سکتے ہیں جب وہ آپ ﷺ کی سنت کے مطابق ہوں۔

مطالعہ سیرت کی تشریحی اہمیت

اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں ہدایت کے لیے پیغمبروں کو بھیجا اور الہامی کتب عطا فرمائیں۔ اگر کسی قوم نے صرف اپنے رسول کی ذات کو اختیار کیا تو وہ گمراہ ہو گئی، جیسا کہ نصاریٰ کا حال ہے۔ اسی طرح اگر کسی نے کتابوں کو نظر انداز کیا تو وہ بھی ہدایت سے محروم ہو گئے، جیسا کہ ہندوؤں کا حال ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کی کتاب اور نبی کی سیرت دونوں مل کر ہدایت کا ذریعہ بنتی ہیں۔ قرآن میں جو احکام آئے ہیں، ان کی تفصیلات اور عملی جزئیات سیرت نبوی ﷺ نے فراہم کی ہیں۔ مثلاً:

نماز: قرآن میں نماز کا حکم دیا گیا ہے مگر اس کا طریقہ آپ ﷺ نے بتایا۔

حج: حج کے مناسک بھی آپ ﷺ نے بیان کیے۔

مطالعہ سیرت کی اخلاقی اہمیت

سیرت طیبہ ﷺ کا مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آپ ﷺ اعلیٰ اخلاق کے حامل تھے۔ آپ ﷺ نے اپنے عمل سے اخلاقیات کا نمونہ پیش کیا اور فرمایا:

"بے شک مجھے اخلاق کی تکمیل کے لیے مبعوث کیا گیا"۔ آپ کے اخلاق و کردار کی گواہی خود اہل مکہ دیتے تھے۔ مثلاً جب حجر اسود کو رکھنے کا مسئلہ پیش آیا تو لوگوں نے کہا: "یہ محمد ﷺ ہیں، ہم ان سے راضی ہیں"۔ آپ کے دشمن بھی آپ کے اخلاق و کردار کی تعریف کرتے تھے۔

مطالعہ سیرت کی علمی اہمیت

اسلام میں علم کی اہمیت مسلم ہے، اور یہ بات تاریخ انسانیت میں منفرد حیثیت رکھتی ہے کہ اسلام علم کا علمبردار بن کر آیا اور تعلیمی دنیا میں ایک ہمہ گیر انقلاب کا آغاز کیا۔ اسلامی نقطہ نظر سے، انسانیت نے اپنے سفر کا آغاز تاریکی اور جہالت سے نہیں بلکہ علم اور روشنی سے کیا۔ تخلیقِ آدمؑ کے بعد، خالقِ کائنات نے انسان اول کو سب سے پہلے علم اشیاء سے سرفراز کیا، جو اسے دیگر مخلوقات سے ممتاز کرتا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے علم کی فضیلت کو بار بار بیان کیا ہے، اور تمام انبیاء اکرام کو معلمین بنا کر بھیجا۔ علم قیادت کا ایک خاصہ ہے اور کسی تہذیب کے صحت مند ارتقاء کے لیے ضروری عوامل میں شامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں دنیا کے دوسرے نظاموں نے تعلیم کو اہمیت دی، وہاں

اسلام نے اسے اوّلین ضرورت قرار دیا۔ قرآن پاک اور سنت نبویؐ میں علم کی فضیلت و اہمیت کا ذکر بکثرت ملتا ہے، جہاں علم انسانی فضیلت و عظمت کا معیار ہے۔ اسلام نے انسان کے تمام مسائل کو زیر بحث لایا اور اس کی زندگی کے روشن اور مخفی زاویوں کو اپنی نورایت سے منور کیا۔ یہ دین نہ صرف فرد کے انفرادی معاملات بلکہ اجتماعی اور بین الاقوامی مسائل پر بھی ہدایت فراہم کرتا ہے۔ اسلام نے علم کی اہمیت پر مکمل روشنی ڈالی ہے اور اسے تمام انسانوں کی بنیادی ضرورت قرار دیا ہے۔

مطالعہ سیرت کی بین الاقوامی اہمیت

اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو پوری دنیا کے لیے رحمتہ اللعالمین بنا کر بھیجا اور اپنا آخری کلام قرآن پاک آپؐ پر نازل فرمایا۔ آپ ﷺ کی تعلیم ابدی اور دائمی تھی، جسے آپؐ کی زندگی کے نمونہ میں دیکھا جا سکتا ہے۔ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ [الأحزاب: 21]

"تمہیں رسول اللہ کی زندگی میں بہترین نمونہ ملتا ہے"۔

آپ ﷺ کی زندگی کھلی کتاب کی طرح ہمارے سامنے موجود ہے، جو ہر طبقے کے لوگوں کے لیے ہدایت و راہنمائی فراہم کرتی ہے۔ آپ ﷺ کا نمونہ زندگی تا قیامت کے لیے اسوہ حسنہ ہے، جسے ہر طالب حق اپنی رہنمائی کے لیے اختیار کر سکتا ہے۔

مطالعہ سیرت کی اہمیت دین اسلام کے آسان ہونے کے حوالے سے

آپ ﷺ کا لایا ہوا دین حنیف نہایت آسان ہے، جس میں آسانی کا پہلو غالب ہے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ لکھتے ہیں کہ مذہب سابق میں عبادت گاہوں کے افسروں کی اجارہ داری تھی، مگر پیغمبر اسلام ﷺ نے فرمایا کہ "الدین یسرٌ" (دین آسانی کا نام ہے)۔ اسلام روحانی ترقی اور تزکیہ نفس کے لیے توحید کو بنیادی وسیلہ تصور کرتا ہے۔ اگر کوئی شخص خدا کو مان لے تو اس دنیا میں گناہوں کا سرزد ہونا مشکل ہو جاتا ہے۔ دین اسلام ہر شخص پر اس کی استطاعت کے مطابق ذمہ داری عائد کرتا ہے، جس سے فرد کی پختگی ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔

رسول اکرم ﷺ کی مکی و مدنی زندگی

خاندان

رسول اللہ ﷺ کا تعلق قریش کے اہم خاندان بنو ہاشم سے تھا، جو اقوام عالم میں معزز اور ممتاز تھا۔ آپ ﷺ نے اپنے سلسلہ نسب کے بارے میں فرمایا:

"اللہ نے اولاد اسماعیل میں سے کنانہ کو پسند کیا، قریش کو کنانہ سے، اور قریش سے بنو ہاشم کو، اور بنو ہاشم میں سے مجھے منتخب فرمایا۔"

آپ کا مکمل سلسلہ نسب یہ ہے:

محمد ﷺ بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرۃ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ۔

ولادت

حضور ﷺ کی ولادت 22 اپریل 571ء/12 ربیع الاول دو شنبہ کو ہوئی۔ آپ ﷺ کے دادا جناب عبد المطلب نے آپ ﷺ کو خانہ کعبہ میں لے جا کر دعا مانگی اور ساتویں روز عقیقہ کر کے آپؐ کا نام محمد رکھا۔ یہ نام عرب میں نیا تھا، جس کی وجہ پوچھنے پر عبد المطلب نے کہا کہ وہ چاہتے ہیں کہ ان کا بیٹا ساری دنیا میں مدح و ستائش کا سردار قرار پائے۔ آپ ﷺ کی والدہ نے آپ ﷺ کو دو تین روز دودھ پلایا، پھر آپ ﷺ کو حلیمہ سعدیہ کے سپرد کر دیا، جہاں آپ ﷺ نے دو سال تک پرورش پائی۔ جب آپ ﷺ کی عمر چھ برس تھی تو والدہ آپ ﷺ کو مدینہ لے گئیں، لیکن واپسی پر مقام ابوا میں ان کا انتقال ہو گیا۔ یوں آپ ﷺ چھ برس کی عمر میں ماں کی محبت سے بھی محروم ہو گئے۔

کفالت

جناب ابو طالب، جو آپ ﷺ کے چچا تھے، نے آپ ﷺ کی کفالت شروع کی اور ان کی محبت کا یہ عالم تھا کہ وہ اپنے بچوں کی پروا نہیں کرتے تھے۔ جب ابو طالب شام کے سفر پر جانے لگے تو آپ ﷺ نے ان سے لپٹ کر جانے کی اجازت مانگی، جس پر انہوں نے آپ ﷺ کو ساتھ لے لیا۔

اہم معاملات قبل از نبوت

حرب فجار میں شرکت

حرب فجار عرب میں ہونے والی ایک مشہور جنگ تھی جو قریش اور بنو قیس کے درمیان ہوئی۔ اس جنگ میں حضور نبی کریم ﷺ نے شرکت تو فرمائی لیکن کسی پر تلوار نہیں اٹھائی۔

حلف الفضول

اس جنگ کے بعد زبیر بن عبد المطلب نے اصلاح کی تجویز پیش کی اور ایک معاہدہ طے پایا کہ ہر شخص مظلوم کی حمایت کرے گا اور کوئی ظالم مکہ میں نہ رہنے پائے۔ حضور ﷺ بھی اس معاہدے میں شریک تھے اور فرمایا کہ اگر مجھے اس معاہدے کے بدلے سرخ رنگ کے اونٹ بھی دیے جائیں تو میں نہ لوں گا۔

تجارت

جب نبی ﷺ جوان ہوئے تو کسب معاش کی فکر ہوئی اور تجارت کا آغاز کیا، جو آپ ﷺ کا خاندانی شغل تھا۔ آپ ﷺ کی دیانت داری اور حسن معاملہ کی شہرت دور دور تک پھیل گئی، جس کی وجہ سے مالدار لوگ منافع کی شرکت پر آپ ﷺ کو سرمایہ دیتے تھے۔

حضرت خدیجہؓ سے شادی

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ایک معزز اور دولت مند بیوہ تھیں جنہوں نے آپ ﷺ کے تجارتی تجربات اور دیانت داری کا شہرہ سن کر درخواست کی کہ میرا سامان فروخت کرنے کے لیے شام لے جائیں۔ اس سفر کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے خود رسول اللہ ﷺ سے شادی کی درخواست کی، جسے قبول کیا گیا۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ کی عمر 25 سال تھی جب کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر 40 سال تھی۔

تعمیر کعبہ

رسول اللہ ﷺ کی عمر 35 سال تھی جب قریش نے کعبہ کی عمارت کو از سر نو تعمیر کیا۔ حجر اسود نصب کرنے کے معاملے پر قبائل میں جھگڑا ہوا، لیکن رسول اللہ ﷺ نے اپنی امانت و دیانت کی بنا پر سب کو اپنی رائے پر راضی کر لیا۔

بعثت نبوی ﷺ

جب آپ ﷺ کی عمر چالیس سال ہوئی تو ایک دن حسب معمول آپ ﷺ غار حرا میں تشریف رکھتے تھے کہ فرشتہ نظر آیا اور آپ ﷺ سے کہا۔

﴿اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ (1) خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ (2) اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ (3) الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ (4) عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ (5)﴾ [العلق: 1-5]

اپنے رب کے نام سے پڑھ جس نے پیدا کیا۔ انسان کو ایک لوتھڑے سے پیدا کیا۔ پڑھ اور تیرا رب سب سے بڑھ کر بزرگی والا ہے جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا۔ انسان کو سکھایا جو نہیں جانتا تھا۔

اس موقع پر حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کو دلاسہ دیتے ہوئے فرمایا:

"ہر گز نہیں! خدا کی قسم اللہ آپ ﷺ کو کبھی رسوا نہ کرے گا۔ آپ ﷺ صلہ رحمی کرتے ہیں۔ لوگوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔ ناداروں کی خبر گیری کرتے ہیں اور مصائب میں لوگوں مدد کرتے ہیں۔ پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کو اپنے عزیز ورقہ بن نوفل کے پاس (جو تورات و انجیل کے عالم تھے) لے گئیں۔ انہوں نے یہ ماجرا سن کر کہا یہ تو وہی ناموس ہے جو موسیٰ پر اترا تھا، کاش میں اس وقت تک زندہ رہتا جب آپ کی قوم آپ کو نکال دے گی، اس وقت آپ کی مدد کرتا۔ اس کے بعد حضرت جبرائیل کے ذریعہ آپ ﷺ پر اصل حقیقت منکشف ہوئی اور آپ ﷺ نے اپنا فرض انجام دینا شروع کر دیا"۔

دعوت اسلام کا آغاز

آپ ﷺ نے تبلیغ اسلام کے لیے نہایت تدبیر اور تدریج سے کام لینا شروع کیا اور اول اول ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دی جو آپ ﷺ کے اخلاق و عادات اور چالیس سالہ شبانہ روز کے معمولات سے اچھی طرح واقف تھے۔ انہوں نے بلا تامل اس دعوت کو قبول کر لیا۔ سب سے پہلے آپ ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو یہ پیغام سنایا وہ سننے سے پہلے مومن تھیں۔ پھر مردوں میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، غلاموں میں زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور نو عمروں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بڑے با اثر دولت مند اور فیاض تھے۔ ان کی ترغیب اور ہدایت سے کبار صحابہ میں سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ، حضرت سعد بن ابی

و قاص رضی اللہ عنہ اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ مشرف با اسلام ہوئے۔ ان کے قبول اسلام کے اثر سے یہ چرچا چپکے چپکے اور لوگوں میں بھی پھیلا، چنانچہ حضرت خباب بن ارت، عمار بن یاسر، سعید بن زید، عبد اللہ بن مسعود، عثمان بن مظعون، ابو عبیدہ، صہیب اور ارقم رضی اللہ عنہم وغیرہ نے اسلام قبول کیا اور ایک اچھی خاصی جماعت دائرہ اسلام میں داخل ہو گئی۔ لیکن تین سال تک یہ کام پوشیدہ طور پر نہایت احتیاط سے جاری رہا۔ جب نماز کا وقت آتا تو آنحضرت ﷺ کسی پہاڑ کی گھاٹی میں چلے جاتے اور وہاں نماز ادا کرتے۔

اعلانیہ تبلیغ

تین سال کے بعد اعلانیہ تبلیغ کے احکام نازل ہوئے۔

﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ﴾ [الحجر: 94] سو کھول کر کہ دے جو تجھے حکم دیا گیا ہے۔

چنانچہ آپ نے کوہ صفا پر چڑھ کر آواز دی اے گروہ قریش! لوگ آپ ﷺ کی آواز پر جمع ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں تم سے یہ کہوں کہ پہاڑ کے عقب سے ایک لشکر جرار آرہا ہے تو تم کو یقین آئے گا۔ سب نے کہا کیوں نہیں! جب کہ ہم نے تم کو ہمیشہ سچ ہی بولتے پایا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تو میں تم سے کہتا ہوں کہ اگر تم ایمان نہ لاؤ گے تو تم پر عذاب شدید نازل ہو گا۔ یہ غیر متوقع بات سن کر سب لوگ جن میں آپ ﷺ کا چچا ابو لہب بھی تھا سخت برہم ہو کر چلے گئے۔ اس واقعہ کے چند روز بعد آپ نے ایک دعوت کا انتظام کیا۔ تمام خاندان عبد المطلب کو مدعو کیا۔ کھانا کھلانے کے بعد آنحضرت ﷺ نے کھڑے ہو کر فرمایا۔ میں وہ چیز لے کر آیا ہوں جو دین و دنیا دونوں کی کفیل ہے۔ اس بار گراں کو اٹھانے میں کون میرا ساتھ دیتا ہے۔ تمام مجلس میں سناٹا تھا۔ صرف حضرت علیؓ کی ایک آواز آئی گو مجھے آشوب چشم کی شکایت ہے، میری ٹانگیں پتلی ہیں اور نو عمر ہوں لیکن میں آپ کا ساتھ دوں گا۔

آنحضرت ﷺ بدستور دعوت اسلام میں مصروف رہے تو قریش نے آپ ﷺ کو طرح طرح کی اذیتیں دینا شروع کیں۔ آپ ﷺ کی راہ میں کانٹے بچھا دیتے۔ نماز کی حالت میں پشت مبارک پر نجاست ڈال دیتے۔ بد زبانیاں کرتے۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ حرم میں نماز پڑھ رہے تھے عقبہ بن ابی معیط نے گردن مبارک پر اپنی چادر رسی کی طرح ڈال کر اس زور سے کھینچی کہ آپ ﷺ گھٹنوں کے بل گر پڑے۔ آپ ﷺ ان تمام سختیوں کو خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کرتے تھے۔ اور اپنا فرض برابر کئے جاتے تھے۔

عام الحزن

شعب ابی طالب سے نکلنے کے چند روز بعد آنحضرت ﷺ کے چچا جناب ابو طالب کا انتقال ہو گیا۔ اس کے تھوڑے دنوں کے بعد آپ ﷺ کی رفیقہ حیات حضرت خدیجہؓ نے بھی سفر آخرت کیا اور سال کے اندر اندر آپ ﷺ کے دو محسن اٹھ گئے۔ آنحضرت ﷺ اس سال کو عام الحزن (غم کا سال) فرمایا کرتے تھے۔

سفر طائف

اہل مکہ سے مایوس ہو کر آپ ﷺ نے ارادہ فرمایا کہ طائف تشریف لے جائیں اور وہاں کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں۔ طائف میں بڑے بڑے امراء اور رُوسا رہتے تھے چنانچہ آپ ﷺ ان کے پاس گئے اور ان کے سامنے اسلام پیش کیا لیکن طائف والوں کا جواب اہل مکہ سے مختلف نہ تھا بلکہ مکہ والے پھر اپنے تھے اور بعض خاندانی وجاہت، کردار کی بلندی اور قرابت داری کے تعلق سے آپ ﷺ کا پاس ولحاظ بھی کرتے تھے لیکن طائف والے بالکل بیگانہ تھے۔ انہوں نے آپ ﷺ کے ساتھ انتہائی گستاخانہ سلوک کیا۔ اوباش لڑکوں کو آپ ﷺ کے پیچھے لگا دیا جو تالیاں بجا کر آپ ﷺ کا تمسخر اڑاتے تھے۔ انہوں نے پتھر برسا کر آپ ﷺ کو لہولہان کر دیا۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ کے جوتے خون سے بھر گئے۔ جب آپ ﷺ زخموں سے چُور ہو کر بیٹھ جاتے تو بازو سے پکڑ کر کھڑا کر دیتے اور پتھر برساتے اور گالیاں دیتے۔ آخر آپ ﷺ نے عتبہ بن ربیعہ کے انگوروں کے باغ میں پناہ لی اور پھر وہاں سے مایوس ہو کر مکہ لوٹ آئے۔

بیعت عقبہ اولی وثانیہ

رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ حج کے زمانے میں مختلف قافلوں کے پاس جا کر اسلام کی تبلیغ فرماتے تھے، اور رجب 10 نبوی میں آپ ﷺ نے کئی قبائل کے پاس تشریف لے جا کر انہیں اسلام کی دعوت دی۔ عقبہ کے مقام پر آپ ﷺ کو کچھ افراد نظر آئے جنہوں نے بتایا کہ وہ "خزرج" سے ہیں۔ آپ ﷺ نے انہیں قرآن کی آیات سنائیں، اور اگرچہ وہ مشرکین مکہ کی طرح بت پرست تھے، لیکن یہود کی ہمسائیگی کی وجہ سے وہ مذہبی کتابوں سے واقف تھے اور جانتے تھے کہ یہود ایک نبی کے منتظر ہیں۔ چنانچہ یہ پیغام سنتے ہی انہوں نے ایک دوسرے کی جانب دیکھا اور کہا: "دیکھو! کہیں یہود ہم سے بازی نہ لے جائیں"، اور اس طرح سب نے ایک ساتھ اسلام قبول کر لیا، جن کی تعداد چھ

تھی۔ دوسرے سال بارہ افراد مدینہ سے آئے اور اسلام قبول کرنے کے ساتھ ہی درخواست کی کہ ان کے ساتھ کوئی معلم بھیجا جائے جو انہیں احکام اسلام سکھائے۔ آپ ﷺ نے حضرت مصعب بن عمیر ﷺ کو ان کے ساتھ بھیج دیا، جہاں انہوں نے سعد بن زرارہ کے ہاں ٹھہر کر گھر گھر جا کر اسلام کی دعوت دینا شروع کی۔ روزانہ ایک دو نئے افراد اسلام قبول کرتے رہے، اور رفتہ رفتہ مدینہ میں اسلام پھیلنے لگا۔ قبیلہ اوس کے سردار سعد بن معاذ بھی حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کی کوششوں سے مسلمان ہو گئے، جس کا اتنا اثر ہوا کہ پورا قبیلہ اوس یکبارگی مسلمان ہو گیا۔ اگلے برس بہتر افراد حج کے زمانے میں آئے اور اپنے ساتھیوں سے چھپ کر عقبہ (منیٰ) میں آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی، جس کے نتیجے میں اوس و خزرج کے قبول اسلام سے مدینہ میں ایک مضبوط اسلامی جماعت تشکیل پا گئی جو اپنا سب کچھ اسلام پر قربان کرنے کو تیار تھی۔

ہجرت

ہجرت مدینہ

رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کی عام اجازت دے دی، جس کے بعد صحابہ کرامؓ نے مدینہ کی طرف ہجرت شروع کر دی، جبکہ قریش نے اس عمل کی مزاحمت کی۔ رسول اللہ ﷺ، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی مدینہ جانے میں کامیاب نہ ہوئے۔ قریش نے دیکھا کہ مدینہ پہنچ کر مسلمانوں کو امن و سکون نصیب ہو گیا ہے اور ان کی جماعت تیزی سے بڑھنے لگی ہے، تو انہوں نے آپ ﷺ کو ختم کرنے کا فیصلہ کیا۔ دارالندوہ میں ایک اجلاس بلایا گیا جہاں مختلف تجاویز پیش کی گئیں، لیکن ابو جہل کی تجویز پر متفق ہو کر آپ ﷺ کا قتل کرنے کا منصوبہ بنایا گیا۔ اس کے باوجود، آپ ﷺ کو قریش کے ارادوں سے آگاہی ہو گئی، لہذا آپؐ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلا کر ہجرت کا ارادہ کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے بستر پر سو کر دشمنوں کو دھوکہ دیا اور جب قریش محاصرہ کرنے میں مصروف تھے تو آپ ﷺ غار ثور کی طرف روانہ ہو گئے۔ وہاں تین دن قیام کے بعد، آپ ﷺ مکہ سے نکلے اور مدینہ پہنچنے پر انصار نے شاندار استقبال کیا۔ قبا میں پہنچ کر آپ ﷺ نے چودہ دن قیام کیا اور پہلی مسجد تعمیر کی، جو اسلام میں اہمیت رکھتی ہے۔ اس طرح آپ ﷺ کی ہجرت نے اسلامی تاریخ کا ایک نیا باب کھولا۔

قبا میں قیام

مدینہ سے تین میل کے فاصلے پر قبا بستی میں انصار کے چند خاندان آباد تھے، جن میں عمرو بن عوف کا خاندان نمایاں تھا۔ ہجرت کے بعد، رسول اللہ ﷺ نے قبا میں کلثوم بن الہدم کے گھر قیام کیا اور وہاں چودہ دن گزارے، جہاں انہوں نے پہلی مسجد، مسجد قبا، کی بنیاد رکھی۔ یہ مسجد قرآن میں تقویٰ کی بنیاد پر قائم ہونے والی مسجد کے طور پر ذکر کی گئی ہے۔ حضرت علیؓ بھی ہجرت کے بعد مکہ سے تین دن بعد قبا پہنچے۔ قبا میں قیام کے بعد، آپ ﷺ نے مدینہ کی طرف روانگی کی اور راستے میں بنو سالم کی آبادی میں پہلی نماز جمعہ ادا کی۔ مدینہ پہنچنے پر سارا شہر آپ ﷺ کے استقبال کے لیے نکل آیا، اور لوگ خوشی سے آپؐ کی اونٹنی کے گرد جمع ہو گئے۔ جب آپ ﷺ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے تو انہوں نے شرف میزبانی حاصل کیا، جہاں آپ ﷺ سات ماہ تک مقیم رہے۔

مسجد نبوی کی تعمیر

مدینہ میں قیام کے بعد، رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلے مسجد نبوی کی تعمیر کی طرف توجہ دی، جس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ مل کر ایک سادہ اور مختصر مسجد بنائی گئی۔ اس مسجد کے ایک سرے پر ایک چبوترہ، جسے صفہ کہا جاتا ہے، بنایا گیا تاکہ نئے مسلمان جو بے گھر تھے، وہاں رہ سکیں۔ جب مسجد کی تعمیر مکمل ہوئی تو آپ ﷺ نے ازواج مطہرات کے لیے مکانات بھی بنوائے، جن میں حضرت سودہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے حجرے شامل تھے۔ مکہ سے ہجرت کر کے آنے والے مسلمان بے سر و سامان تھے، لہذا آپ ﷺ نے ان مہاجرین اور انصار کے درمیان رشتہ اخوت قائم کیا تاکہ ان کی اجنبیت دور ہو سکے۔ اس موقع پر انصار نے بے مثال فیاضی اور ایثار کا مظاہرہ کیا، جو تاریخ میں اپنی نوعیت کا منفرد واقعہ ہے۔

میثاق مدینہ

مدینہ پہنچنے کے بعد، رسول اللہ ﷺ نے وہاں بسنے والی اقوام نصاریٰ، یہود اور مسلمانوں کے درمیان ایک اہم معاہدہ قائم کیا، جسے "میثاق مدینہ" کہا جاتا ہے۔ یہ تاریخ کا پہلا تحریری دستور ہے، جس میں مسلمانوں اور یہودی قبائل کے درمیان تعلقات کو منظم کیا گیا۔ اس معاہدے کی اہم دفعات میں مذہبی آزادی کا تحفظ، دوستانہ تعلقات کی تشکیل، اور بیرونی حملوں کے خلاف مشترکہ دفاع شامل تھے۔ یہود کے تین قبیلے، بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ، اس معاہدے

کے تحت مسلمانوں کی قیادت کو تسلیم کرنے پر مجبور ہوئے۔ میثاق مدینہ نے نہ صرف مسلمانوں کو ایک سیاسی اتحاد فراہم کیا بلکہ یہودیوں کی سیاسی طاقت کو بھی کمزور کیا۔ اس معاہدے کی اہمیت کو غیر مسلم مؤرخین نے بھی تسلیم کیا ہے، کیونکہ یہ انسانی معاشرت میں ایک نئے ضابطے کی بنیاد رکھی گئی تھی۔ معروف مستشرق نکلسن نے اسے ایک انقلابی اقدام قرار دیا، جو قبائل کی بے راہ روی کو ختم کرتا ہے۔ اس طرح، میثاق مدینہ نے نہ صرف اپنے وقت میں بلکہ آنے والے مسلم حکمرانوں کے لیے بھی رہنما اصول فراہم کیے۔

غزوات نبوی ﷺ کا جائزہ

رسول اللہ ﷺ کی زندگی کا ایک اہم پہلو میدان جنگ میں دشمنانِ اسلام کے خلاف آپؐ کی قیادت اور عسکری حکمت عملی ہے۔ آپ ﷺ نے نہ صرف بلند ہمت اور عزم و استقامت کے ساتھ افواج کی قیادت کی بلکہ آپ ﷺ کی تمام جنگیں اسلام کی نشر و اشاعت اور حریت عامہ کے تحفظ کے لیے لڑی گئیں، نہ کہ ظلم و جبر کے لیے۔ آپ ﷺ نے مختلف قبائل کو اکٹھا کر کے ایک نئی قوم کی تشکیل کی، جس میں انسانی جان کا احترام بنیادی اصول تھا۔ قرآن میں انسانی جان کی حفاظت کی تاکید کی گئی ہے، اور آپ ﷺ نے ہمیشہ اس اصول کو مقدم رکھا۔

آپ ﷺ نے 27 غزوات میں شرکت کی اور 35 سرویا بھیجے، جہاں آپ ﷺ کی عسکری حکمت عملی ہمیشہ کامیاب رہی۔ غزوہ بدر اور غزوہ احد جیسے معرکوں میں آپ ﷺ نے بہترین حکمت عملی کا مظاہرہ کیا، جس سے یہ ثابت ہوا کہ آپ ﷺ ایک عظیم فوجی کمانڈر تھے۔ صلح حدیبیہ کے دوران بھی آپ ﷺ نے اپنی سیاسی بصیرت کا استعمال کرتے ہوئے قریش اور یہودیوں کے درمیان توازن قائم کیا، جو بعد میں مسلمانوں کے حق میں ایک بڑی کامیابی ثابت ہوئی۔

آپ ﷺ کی عسکری فہم و فراست نے اسلامی ریاست کو مضبوط بنیاد فراہم کی، اور جنگیں ہمیشہ دعوت اسلام کی آزادی اور امن و امان برقرار رکھنے کے لیے لڑی گئیں۔ اس طرح، آپ ﷺ کا عسکری پہلو نہ صرف اسلامی تاریخ میں نمایاں ہے بلکہ آج بھی رہنمائی فراہم کرتا ہے۔

فتح مکہ کے موقع پر، حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے قریش کو ایک خط بھیجا جس میں انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی مکہ پر حملے کی تیاریوں کی اطلاع دی۔ یہ خط ایک عورت کے ذریعے مکہ پہنچایا گیا۔ جب رسول اللہ ﷺ کو اس بات کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ، اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کو اس عورت کا تعاقب

کرنے کے لیے بھیجا۔ انہوں نے اسے روضہ خاخ میں پایا اور اس سے خط چھین لیا۔ خط میں لکھا تھا کہ قریش کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی آمد سے آگاہ ہوں، تاکہ وہ تیار رہیں۔ جب حاطب کو بلایا گیا تو انہوں نے وضاحت کی کہ ان کا مقصد صرف اپنے اہل و عیال کی حفاظت کرنا تھا، کیونکہ ان کا کوئی رشتہ دار مکہ میں نہیں تھا۔ آپ ﷺ نے ان کی بات سن کر انہیں معاف کر دیا۔ بعد میں 8 ہجری میں، آپ ﷺ نے دس ہزار جاں نثاروں کے ساتھ مکہ کی طرف روانگی کی۔ آپ ﷺ کا یہ سفر انتہائی رازدارانہ تھا اور جب لشکر مکہ کے قریب پہنچا تو آپ ﷺ نے ابوسفیان کو بلند مقام پر کھڑا کر کے لشکر اسلام کا نظارہ کرایا۔ آپ ﷺ کا مکہ میں داخلہ ایک فاتح کی طرح نہیں بلکہ ایک نبی کی حیثیت سے ہوا، جو انکساری اور عاجزی کے ساتھ حرم میں داخل ہوئے۔ آپ ﷺ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ آج تم سب آزاد ہو، مگر آٹھ افراد کو مستثنیٰ قرار دیا گیا جن کے خون کو مباح قرار دیا گیا۔ ان افراد میں عبد اللہ بن خطل، حویرث، مقیس بن صبابہ، اور عکرمہ بن ابی جہل شامل تھے۔

فتح مکہ کے بعد، اسلامی فوج نے کئی اہم واقعات کا سامنا کیا۔ اس دوران، عبد اللہ بن خطل کو قتل کر دیا گیا، جب کہ قرتنی اور قریبہ میں سے ایک کو مارا گیا اور دوسری کو معاف کر دیا گیا۔ سارہ کو بھی قتل کر دیا گیا، جبکہ مقیس بن صبابہ اور حویرث کو بھی ہلاک کیا گیا۔ عبد اللہ بن ابی سرح اور عکرمہ بن ابی جہل کو معاف کر دیا گیا، پہلی کی سفارش حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کی اور دوسری نے اپنی درخواست پر معافی حاصل کی۔ فتح مکہ کے بعد عرب کے مختلف قبائل اسلام قبول کرنے لگے، جسے "**سنة الوفود**" کہا جاتا ہے۔ عمرو بن سلمہ کے مطابق، قریش کی فتح کے بعد دیگر قبائل نے بھی اسلام کی طرف قدم بڑھایا۔ تاہم، دو قبائل، ہوازن اور ثقیف، اپنی جنگی مہارت پر نازاں تھے اور مسلمانوں کے ساتھ مقابلے کے لیے تیار تھے۔ آپ ﷺ بارہ ہزار صحابہ کے ساتھ غزوہ حنین کی طرف بڑھے، جو کہ مسلمانوں کی تاریخ میں ایک بڑی تعداد تھی۔ ابتدائی طور پر مسلمانوں کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، لیکن آپ ﷺ نے انصار کو پکارا اور پھر مسلمان دوبارہ لڑنے کے لیے تیار ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس معرکے میں مسلمانوں کی مدد فرمائی اور فتح نصیب ہوئی۔ بعد میں، آپ ﷺ نے طائف کا محاصرہ کیا، جہاں زیادہ تر لوگ اسلام قبول کر چکے تھے۔ 9 ہجری میں آپ ﷺ نے شام کی طرف ایک بڑی فوج روانہ کی، لیکن وہاں کوئی جنگ نہیں ہوئی۔ تبوک میں آپؐ کا قیام شامیوں کے حوصلے توڑنے کا سبب بنا۔ اس طرح، فتح مکہ اور اس کے بعد کے واقعات نے اسلامی ریاست کی بنیاد مضبوط کی اور عرب میں اسلام کے پھیلاؤ کا باعث بنے۔

صلح حدیبیہ

مسلمانوں کو مکہ چھوڑے ہوئے چھ سال گزر چکے تھے، اور مکہ ان کا قدیم وطن تھا۔ اس شوق کے تحت، رسول اللہ ﷺ نے ذیقعدہ 6 ہجری میں عمرہ کا ارادہ کیا اور 1400 صحابہ کے ساتھ روانہ ہوئے۔ آپ ﷺ نے مدینہ سے احرام باندھ لیا اور ہتھیاروں کی جگہ صرف تلواریں نیام میں رکھی۔ مکہ کے قریب پہنچ کر، آپ ﷺ نے ایک خزاعی کو قریش کی تیاریوں کی خبر لینے کے لیے بھیجا، جس نے بتایا کہ قریش جنگی تیاریوں میں مصروف ہیں۔

آپ ﷺ نے حدیبیہ کے مقام پر پڑاؤ ڈالا اور قریش کو پیغام بھیجا کہ آپ ﷺ جنگ کے لیے نہیں بلکہ عمرہ کی غرض سے آئے ہیں۔ قریش نے عروہ بن مسعود کو مذاکرات کے لیے بھیجا، جس نے مسلمانوں کی عقیدت اور وفاداری کو سراہا۔ پھر آپ ﷺ نے خراش بن امیہ کو بھیجا، لیکن قریش نے انہیں نقصان پہنچانے کی کوشش کی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھی قریش کے پاس بھیجا گیا، جہاں انہیں نظر بند کر دیا گیا اور افواہیں پھیل گئیں کہ انہیں قتل کر دیا گیا۔ اس صورتحال میں مسلمانوں نے بیعت رضوان کی، جس میں انہوں نے عہد کیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے۔

آخر کار، مذاکرات کے نتیجے میں صلح حدیبیہ کا معاہدہ طے پایا، جس کے تحت دس سال تک کوئی جنگ نہیں ہو گی اور مسلمان اگلے سال عمرہ کرنے کے لیے مکہ آسکتے ہیں۔ یہ معاہدہ مسلمانوں کے لیے ایک بڑی کامیابی ثابت ہوا، کیونکہ اس نے انہیں ایک مستحکم بنیاد فراہم کی اور عرب میں اسلام کے پھیلاؤ کا موقع دیا۔

بیعت رضوان

جب رسول اللہ ﷺ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کی خبر ملی تو آپ ﷺ کو سخت صدمہ ہوا اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ "خونِ عثمان کا قصاص لینا فرض ہے"۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے صحابہ سے بیعت رضوان لی، جس میں انہوں نے عہد کیا کہ وہ جان کی بازی لگانے کے لیے تیار ہیں۔ یہ بیعت اسلامی تاریخ میں خاص اہمیت کی حامل ہے اور سورۃ الفتح میں اس کا ذکر بھی موجود ہے۔ بیعت کے بعد معلوم ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی قتل کی خبر غلط تھی، لیکن اس بیعت نے قریش کو صلح کی گفتگو کے لیے آمادہ کر دیا۔ قریش نے سہیل بن عمرو کو مذاکرات کے لیے بھیجا، اور طویل بحث و مباحثے کے بعد چند شرائط پر اتفاق ہوا۔ ان شرائط میں شامل تھا کہ مسلمان اس سال بغیر عمرہ کیے واپس جائیں گے، اگلے

سال وہ صرف تین دن کے لیے مکہ آئیں گے، اور ہتھیاروں کے بجائے صرف نیام میں تلوار لائیں گے۔ معاہدے کی کچھ شرائط مسلمانوں کے حق میں غیر منصفانہ تھیں، جیسے کہ اگر کوئی مسلمان مکہ جائے تو اسے واپس نہیں کیا جائے گا، لیکن اگر کوئی قریشی مدینہ جائے تو اسے واپس کیا جائے گا۔ جب معاہدے کی کتابت ہو رہی تھی، تو ابو جندل رضی اللہ عنہ مکہ سے بھاگ کر وہاں پہنچے، لیکن آپ ﷺ نے انہیں واپس کرنے پر مجبور ہوئے۔ صلح حدیبیہ کے بعد، آپ ﷺ نے قربانی کی اور احرام کھولا۔

اللہ تعالیٰ نے اس صلح کو "فتح مبین" قرار دیا، اور بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ یہ واقعی ایک بڑی فتح تھی۔ اس صلح کے نتیجے میں مسلمانوں اور کفار کے درمیان روابط بڑھنے لگے، جس سے اسلام تیزی سے پھیلنے لگا۔ صلح حدیبیہ نے مسلمانوں کو ایک مستحکم بنیاد فراہم کی اور عرب میں اسلام کے پھیلاؤ کا باعث بنی، جس کا اثر فتح مکہ تک محسوس کیا گیا۔

سلاطین کو دعوت اسلام

صلح حدیبیہ کے بعد، جب رسول اللہ ﷺ کو کچھ اطمینان حاصل ہوا تو آپ ﷺ نے مختلف بادشاہوں اور حکام کو دعوتِ اسلام کے خطوط بھیجے۔ ان میں قیصر روم، کسریٰ ایران، مقوقس عزیز مصر، نجاشی شاہ حبش، اور دیگر شامل تھے۔ قیصر روم نے ابو سفیان کو اپنے دربار میں طلب کیا اور اسلام کے بارے میں سوالات کیے۔ ابو سفیان نے صحیح جوابات دیے، جس سے قیصر کو آپ ﷺ کی صداقت کا یقین ہوا۔

کسریٰ ایران نے آپ ﷺ کے خط کو حقارت سے دیکھا اور اسے چاک کر دیا، جب کہ مقوقس نے آپ ﷺ کے قاصد کو تحفے بھیجے، جن میں دو قبطی لڑکیاں شامل تھیں۔ نجاشی شاہ حبش نے اسلام قبول کیا اور آپ ﷺ کی رسالت کی تصدیق کی۔

یہ خطوط اور دعوتیں اسلامی پیغام کی عالمی سطح پر پھیلاؤ کی شروعات تھیں۔ صلح حدیبیہ کے بعد مسلمانوں کو ایک مستحکم ماحول ملا جس نے انہیں اپنے پیغام کو پھیلانے کا موقع فراہم کیا۔ اس دوران اسلامی ریاست کی حیثیت کو تسلیم کیا گیا اور عرب میں اسلام کی ترویج میں تیزی آئی۔

فتح مکہ

رسول اللہ ﷺ کا سب سے مقدم فریضہ خانہ کعبہ کو بتوں کی آلودگی سے پاک کرنا اور وہاں توحید کا علم بلند کرنا تھا۔ تاہم، قریش کی دشمنی اور عرب کی عام مخالفت کی وجہ سے اس مقصد میں تاخیر ہوئی۔ صلح حدیبیہ کے بعد کچھ عرصے کے لیے امن قائم ہوا، لیکن یہ معاہدہ بھی قریش کے ساتھ برقرار نہ رہ سکا۔

معاہدہ حدیبیہ کے تحت خزاعہ قبیلہ آپ ﷺ کا حلیف بنا، جبکہ بنو بکر قریش کے حلیف تھے۔ معاہدے کے مطابق دونوں فریقین کو ایک دوسرے پر حملہ کرنے کا حق نہیں تھا، لیکن بنو بکر نے حرم میں بنو خزاعہ پر حملہ کیا اور قریش نے ان کی مدد کی۔ اس واقعے کے بعد خزاعہ کے چالیس افراد نے آپ ﷺ کو مدد مانگنے کے لیے مدینہ بھیجا، جس پر آپ ﷺ نے قریش کے پاس قاصد بھیج کر تین شرطیں پیش کیں: مقتولوں کا خون بہا دیا جائے، قریش بنو بکر کی حمایت سے الگ ہو جائیں، یا حدیبیہ کا معاہدہ ختم کر دیا جائے۔

قریش نے صرف تیسری شرط قبول کی، لیکن بعد میں ندامت محسوس کرتے ہوئے ابو سفیان کو تجدیدِ معاہدہ کے لیے مدینہ بھیجا۔ آپ ﷺ نے تجدید معاہدہ سے انکار کر دیا۔ اس واقعے کے بعد آپ ﷺ نے مکہ جانے کی تیاری شروع کی اور رمضان 8 ہجری میں دس ہزار صحابہ کے ساتھ مکہ روانہ ہوئے۔ مکہ کے قریب پہنچ کر آپ ﷺ نے مسلمانوں کو آگ روشن کرنے کا حکم دیا۔ قریش نے آپ کی آمد کی خبر سن لی اور تحقیق کے لیے اپنے لوگوں کو بھیجا۔ ابو سفیان کو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ساتھ لیا اور آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابو سفیان کو دیکھ کر کفر کے استحصال کا وقت سمجھا، لیکن حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے انہیں چھوڑ دیا۔

جب لشکر اسلام مکہ کی طرف بڑھا تو آپ ﷺ نے ابو سفیان کو افواجِ الٰہی کا نظارہ کرانے کے لیے ایک بلند مقام پر کھڑا کیا۔ مکہ میں داخل ہونے پر آپ ﷺ نے اعلان کیا کہ جو شخص ہتھیار ڈال دے گا یا خانہ کعبہ میں داخل ہو جائے گا وہ محفوظ رہے گا۔ آپ ﷺ حرم کعبہ میں داخل ہوئے جہاں مشرکین نے 360 بت نصب کیے تھے۔ آپ ﷺ نے انہیں گرانا شروع کیا اور آیات تلاوت کرتے رہے: ﴿جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا﴾ [الإسراء: 81] (حق آیا اور باطل مٹ گیا، بے شک باطل مٹنے ہی والا تھا)۔

خانہ کعبہ کی تطہیر کے بعد، آپ ﷺ نے نماز ادا کی اور قریش مکہ کے سامنے خطبہ دیا، جس میں توحید کا پیغام پیش کیا اور انہیں معاف کرنے کا اعلان کیا: "﴿لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ﴾ اذهبوا فانتم الطلقاء" (آج تم پر کوئی مواخذہ نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو)۔ یہ واقعہ نہ صرف اسلامی تاریخ میں ایک اہم موڑ ثابت ہوا بلکہ اس نے توحید کی بنیاد کو مستحکم کرنے اور خانہ کعبہ کو بتوں سے پاک کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔

دعوت و تبلیغ

عام الوفود

عرب کے بیشتر قبائل اس انتظار میں تھے کہ قریش اور مدینہ کی اسلامی ریاست کے درمیان جو فیصلہ ہو اس کے مطابق وہ اپنا طرزِ عمل ڈھال لیں۔ فتح مکہ کے بعد قبائل عرب کا ذہن اسلام کے بارے میں بالکل صاف ہو گیا تھا اور غزوہ تبوک میں مسلمانوں کی نمایاں کامیابی نے ان لوگوں کی امیدوں کو خاک میں ملا دیا جو قیصر روم کے ہاتھوں اسلام کے خاتمے کے خواب دیکھ رہے تھے۔ چنانچہ عرب کے قبائل تیزی سے اسلام کی طرف مائل ہونے لگے۔ پہل ان قبائل نے کی جو اسلام کی پاکیزہ تعلیمات سے متاثر تھے لیکن مزاحم قوتوں سے ڈرتے تھے لیکن رفتہ رفتہ تقریباً تمام قبائل دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ یہ قبائل اپنے وفود مدینہ منورہ بھیجتے تھے جو اسلام کے بارے میں سوالات کرتے اور اطمینان کرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کرتے۔ 9ھ میں ایسے بے شمار وفود مدینہ آئے۔ اس لیے اس سال کو عام الوفود کہا جاتا ہے۔

حجۃ الوداع

جب اسلام نے عرب کو اپنی چھاؤں میں لے لیا اور تمام عرب میں اس کے عقائد و احکام پھیل چکے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو سورہ النصر نازل فرما کر ان کو یہ خوشخبری سنائی کہ ان کا کام مکمل ہو چکا ہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے تمام عرب میں اسلام کی تعلیمات پھیلانے کے لیے حج کا ارادہ فرمایا۔

26 ذی القعدہ 10 ہجری کو آپ ﷺ مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔ مکہ میں آپ نے خالص سنت ابراہیمی کے مطابق حج ادا کیا اور مختلف مقامات پر لوگوں کو حج کے مناسک کی تعلیم دی۔

عرفات کے میدان میں آپ ﷺ نے ایک تاریخی خطبہ دیا جسے حجۃ الوداع کا خطبہ کہا جاتا ہے۔ اس خطبے میں آپ ﷺ نے اسلام کے بنیادی اصولوں کو واضح طور پر بیان فرمایا۔ آپ ﷺ نے انسانیت کی برابری پر زور دیا اور کہا کہ رنگ، نسل یا قبیلے کی بنیاد پر کسی کو دوسرے پر فضیلت حاصل نہیں۔ آپ ﷺ نے جاہلیت کے تمام رسوم و رواج کو باطل قرار دیا اور خون کے بدلے خون لینے اور سود کو حرام قرار دیا۔ آپ ﷺ نے عورتوں کے حقوق پر زور دیا اور انہیں مردوں کے برابر حقوق دینے کا حکم فرمایا۔ نیز آپ ﷺ نے اپنے اس خطبے میں فرمایا: "لوگو! اللہ نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہارے بہت سے خاندان اور قبیلے بنا دیئے، تاکہ تم پہچانے جا سکو، یعنی باہم ایک دوسرے کو شناخت کر سکو اور خدا کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے۔ عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر کوئی برتری نہیں ہے اور نہ کسی کالے کو کسی گورے پر، اور گورے کو کالے پر کوئی فضیلت حاصل ہے۔ فضیلت اور برتری صرف پرہیز گاری کی بناء پر ہے۔"

آپ ﷺ نے اس خطبے میں مسلمانوں کو اخوت و برادری کا پیغام دیا اور انہیں ایک دوسرے کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا حکم فرمایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "لوگو! ہر مسلمان، دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور سب مسلمان آپس میں ایک دوسرے کے بھائی بھائی ہیں۔" حجۃ الوداع کا خطبہ اسلام کا آخری پیغام تھا جس میں نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں کو مکمل رہنمائی فراہم کی۔ یہ خطبہ آج بھی مسلمانوں کے لیے ایک عظیم الشان دستاویز ہے جس میں اسلام کے بنیادی اصولوں کو واضح طور پر بیان کیا گیا ہے۔

وفات

ماہ صفر 11 ہجری میں، رسول اللہ ﷺ کو شدید دردِ سر کی شکایت ہوئی، اور 19 صفر کو آپ ﷺ جنت البقیع میں تشریف لے گئے جہاں آپ ﷺ نے شہدائے احد کے لیے دعا کی۔ واپس لوٹنے پر آپ ﷺ کی طبیعت زیادہ خراب ہو گئی۔ بیماری کے دوران بھی آپ ﷺ ازواج مطہرات کے گھروں پر باری باری رہتے رہے، لیکن جب حالت زیادہ بگڑ گئی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر مستقل قیام کیا۔ آپ ﷺ نے اپنی بیماری کے دوران بھی نماز مسجد میں ادا کرنے کی کوشش کی اور آخری بار مغرب کی نماز پڑھائی۔ بعد میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھانے کا حکم دیا۔ ایک روز ظہر کے وقت آپ ﷺ نے غسل کر کے مسجد جانے کا ارادہ کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے سہارے وہاں پہنچے، جہاں آپ ﷺ نے نماز پڑھائی اور آخری خطبہ دیا۔ اس خطبے میں آپ ﷺ نے اللہ کی راہ کا انتخاب کرنے کا

ذکر کیا۔ 12 ربیع الاول کو آپ ﷺ کو کچھ سکون محسوس ہوا، اور آپ ﷺ نے صبح کی نماز کے وقت لوگوں کو دیکھا تو مسکرائے۔ تاہم، جیسے جیسے سورج بلند ہوا، آپ ﷺ کی حالت بگڑنے لگی۔ آپ ﷺ نے بار بار "**الصلوٰۃ وما ملکت ایمانکم**" (نماز اور غلاموں کا خیال رکھو) کہا اور پھر تین بار "**بل الرفیق الاعلیٰ**" (کہ اب اور کوئی نہیں وہی رفیق اعلیٰ درکار ہے) کہتے ہوئے وفات پا گئے۔ آپ ﷺ کے انتقال کا یہ واقعہ اسلامی تاریخ میں ایک اہم موڑ ہے، جس نے مسلمانوں پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ آپ ﷺ کی تعلیمات اور پیغام آج بھی انسانیت کے لیے رہنمائی فراہم کرتے ہیں۔

رسول اکرم ﷺ کے اخلاق کریمانہ

رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کریمانہ انسانی معاشرت میں ایک مثالی نمونہ ہیں، جن کی بدولت آپ ﷺ نے عرب کے سخت دل لوگوں کو نرم دل بنایا اور انہیں اسلام کی طرف راغب کیا۔ آپ ﷺ کے اخلاق کی چند نمایاں خصوصیات درج ذیل ہیں:

حسن خلق

آپ ﷺ نرم مزاج، خوش اخلاق، اور نیک سیرت تھے۔ آپ کا چہرہ ہمیشہ مسکراتا رہتا تھا، اور آپ ﷺ گفتگو میں وقار اور متانت کا مظاہرہ کرتے تھے۔ جب کسی شخص نے آپ ﷺ سے ملاقات کی اجازت چاہی تو آپ ﷺ نے اس کی برادری کی بداخلاقی کا ذکر کیا، لیکن پھر بھی اس کے ساتھ نرمی سے بات کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "اللہ کے نزدیک سب سے برا وہ شخص ہے جس کی بدزبانی کی وجہ سے لوگ اس سے ملنا چھوڑ دیں"۔

صداقت اور راست گفتاری

آپ ﷺ کی صداقت کا یہ عالم تھا کہ آپ ﷺ کو "امین" اور "صادق" کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔ جب آپ ﷺ نے اعلان نبوت کیا تو لوگوں نے آپ ﷺ کو سچا مانا، حالانکہ آپ ﷺ کے دشمن بھی آپ ﷺ کی راست گفتاری کا اعتراف کرتے تھے۔

عدل وانصاف

آپ ﷺ ایک بے مثال منصف تھے۔ جب کسی خاتون پر چوری کا الزام لگا تو آپ ﷺ نے شریعت کے مطابق فیصلہ کیا، یہ ظاہر کرتا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے قریبی رشتہ داروں کو بھی انصاف سے بالاتر نہیں سمجھا۔

ایفائے عہد

آپ ﷺ ہمیشہ اپنے وعدوں کے پابند رہے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر جب ایک شرط رکھی گئی تو آپ ﷺ نے اس شرط کی پاسداری کرتے ہوئے حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ کو واپس کرنے کا حکم دیا۔

عزم واستقلال

آپ ﷺ نے اپنی زندگی میں بہت سی مشکلات کا سامنا کیا، لیکن کبھی ہمت نہیں ہاری۔ جب کفار نے آپ ﷺ کو ایذا دی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ "اگر کفار میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند بھی رکھ دیں تو بھی میں حق کا اعلان کرنے سے باز نہیں آؤں گا"۔

جود وسخا

آپ ﷺ کی سخاوت بے مثال تھی۔ آپ ﷺ نہ صرف اپنے دوستوں بلکہ دشمنوں پر بھی احسانات کرتے تھے۔ ایک بار آپ ﷺ نے اتنی بکریاں عطا کیں کہ وہ دو پہاڑوں کے درمیان کی وادی بھر گئیں۔

غلاموں سے حسن سلوک

آپ ﷺ نے غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کرنے اور انہیں آزادی دینے کی تعلیم دی۔ آپ ﷺ نے اپنے غلام زید بن حارث رضی اللہ عنہ کو آزاد کر دیا اور ان کی شادی کرائی، جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ غلاموں کو کس قدر اہمیت دیتے تھے۔

یہ تمام خصوصیات رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کریمانہ کا حصہ ہیں، جو آج بھی انسانیت کے لیے ایک مثالی نمونہ ہیں۔ ان اخلاقی اصولوں پر عمل پیرا ہو کر ہم اپنی زندگیوں میں بہتری لا سکتے ہیں۔

عاجزی وانکساری

رسول اللہ ﷺ کی عاجزی وانکساری آپ ﷺ کی شخصیت کا ایک اہم اور نمایاں پہلو ہے، جو آپ ﷺ کے اخلاقی معیار کی عکاسی کرتا ہے۔ آپ ﷺ نے ہمیشہ اپنی عظمت اور مقام کے باوجود تواضع کا مظاہرہ کیا، جیسا کہ ایک واقعے میں جب آپ ﷺ کو "**خیرالبریتہ**" کہا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ لقب ابراہیم علیہ السلام کا ہے اور خود کو انبیاء پر فضیلت نہ دینے کی تاکید کی۔

تواضع

فتح مکہ کے موقع پر، آپ ﷺ نے اتنی تواضع دکھائی کہ مکہ میں داخل ہوتے وقت سر کو اتنا جھکایا کہ آپ ﷺ کا سر کجاوے سے لگ گیا۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے اپنے عجز وانکساری کا مظاہرہ کرتے ہوئے خدا کے سامنے پیشانی کو زمین پر رکھ دیا، جو اس عظیم کامیابی کے باوجود آپ ﷺ کی عاجزی کی مثال ہے۔

عفوودرگزر

آپ ﷺ نے عفو و درگزر کا بھی شاندار نمونہ پیش کیا۔ ہجرت کے دوران سراقہ بن جعشم جیسے لوگوں کو معاف کیا، جو آپ ﷺ کے قتل کے ارادے سے آپ ﷺ کا پیچھا کر رہے تھے۔ فتح مکہ کے دن، جب قریش کے سرداروں نے آپ ﷺ کے سامنے آکر معافی مانگی، تو آپ ﷺ نے انہیں یوسف علیہ السلام کی طرح معاف کرتے ہوئے کہا: ﴿لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ﴾ [یوسف: 92] (آج تم پر کوئی مواخذہ نہیں)۔

صلہ رحمی

آپ ﷺ نے صلہ رحمی کا بھی خاص خیال رکھا۔ اپنے رشتہ داروں سے دعوت دین کا آغاز کیا اور ان کی ایذا رسانیوں کے باوجود ان کے لیے دعا فرمائی۔ خدمت خلق میں بھی آپ ﷺ نے بے نظیر مثالیں قائم کیں۔ آپ ﷺ نے یتیموں، بیواؤں اور کمزوروں کی مدد کی اور ان کے حقوق کا تحفظ کیا۔

رحمت وشفقت

آپ ﷺ کی رحمت و شفقت کا یہ عالم تھا کہ آپ ﷺ نے دشمنوں کے ساتھ بھی نرمی برتی۔ غزوہ بدر کے بعد قیدیوں کی آہ وفغاں سن کر رات بھر سو نہ سکے اور میدان جنگ میں عورتوں اور بچوں کو نقصان پہنچانے سے منع کیا۔

آپ ﷺ نے مساوات اور احترام آدمیت کا درس دیا، جس میں ہر انسان کو عزت و احترام دینے کی تعلیم دی گئی۔ آپ نے فرمایا: "اے لوگو! تم سب آدم کی اولاد ہو" اور اس طرح انسانی مساوات کا پیغام دیا۔

یہ تمام خصوصیات رسول اللہ ﷺ کی شخصیت کو ایک مثالی نمونہ بناتی ہیں، جو آج بھی انسانیت کے لیے مشعل راہ ہیں۔

خود آزمائی

1. بعثت نبوی ﷺ سے قبل دنیا کی سیاسی حالت پر نوٹ لکھیں۔
2. بعثت نبوی ﷺ سے قبل دنیا کی معاشرتی و اخلاقی حالت پر نوٹ لکھیں۔
3. بعثت نبوی ﷺ سے قبل دنیا کی مذہبی حالت پر نوٹ لکھیں۔
4. قبل از بعثت نبوی ﷺ عربوں کے حالات کیا تھے؟
5. قبل از بعثت نبوی ﷺ عرب کی معاشرتی حالت پر نوٹ لکھیں۔
6. سیرت کا مفہوم اور آغاز وارتقاء پر نوٹ لکھیں۔
7. سیر و مغازی کی ابتدائی شخصیات کون کون سی ہیں؟
8. سیرتِ نبوی ﷺ کے مطالعہ کی اہمیت و افادیت پر نوٹ لکھیں۔
9. رسول اکرم ﷺ کی مکی و مدنی زندگی پر نوٹ لکھیں۔
10. رسول اکرم ﷺ کے اخلاق کریمانہ پر نوٹ لکھیں۔

یونٹ نمبر2

خلافتِ راشدہ-I

فہرست عنوانات

یونٹ کا تعارف: 53

یونٹ کے مقاصد: 53

1 حضرت ابو بکر صدیقؓ کی سیرت اور کارنامے 54

1.1 حالات زندگی: 54

1.2 خاندان ابو بکرؓ: 54

1.3 دعوت اسلام: 55

1.4 ہجرت حبشہ: 56

1.5 ہجرت مدینہ: 56

1.6 غزوات میں شرکت: 57

1.7 امارت حج: 58

1.8 امامت جماعت: 58

2 خلافت صدیقی کے اہم کارنامے 59

2.1 لشکر اسامہ بن زید کی روانگی: 59

2.2 ردہ جنگیں 12-11 ہجری: 60

2.2.1 فتنہ ارتداد کے اسباب: 60

2.2.2 مرتدین کے طبقات 60

2.2.3 مانعین زکوٰۃ 60

2.2.4 جھوٹے نبی 61

2.2.5 جنگیں 61

2.3 ارتداد کے خلاف صدیقی اقدامات 61

2.3.1 فوجی مہمات کی تشکیل 61

2.3.2 عام پیغام 61
2.3.3 ہدایات برائے مجاہدین 61
2.3.4 اہم مہمات 62
2.3.5 مسیلمہ کذّاب کے خلاف مہم: 62
2.3.6 مسیلمہ کذاب کا دعویٰ 62
2.3.7 جنگ یمامہ 62
2.4 فتنہ بحرین اور اس کا انسداد: 63
2.5 فتنہ ارتداد کا خاتمہ: 64
2.6 عہد صدیقی کی فتوحات 64
2.6.1 فتوحات کا آغاز 64
2.6.2 اہم فتوحات 64
2.6.3 حضرت ابو بکر صدیقؓ کی وفات 65
3 حضرت عمر فاروقؓ، سیرت، خلافت اور کارنامے 65
3.1 نام و نسب اور خاندان 65
3.1.1 سلسلہ نسب: 65
3.1.2 عہد جاہلیت 65
3.1.3 قبول اسلام 66
3.2 ہجرت 66
3.3 غزوات میں شرکت 67
3.3.1 غزوات میں شرکت .....
3.3.2 خلافت 68
3.4 خلافت اور فتوحات 68

3.4.1 شورائیت 68
3.4.2 صوبوں اور ضلعوں کی تقسیم 69
3.4.3 احتساب 69
3.4.4 محکمہ پولیس 69
3.4.5 بیت المال 69
3.4.6 تعمیرات 69
3.5 نئے شہروں کی آبادکاری: 70
3.6 فوجی انتظامات: 70
4 حضرت عمر فاروقؓ کی سیرت 71
خود آزمائی 72

یونٹ کا تعارف

اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کو خاتم النبیین بنا کر بھیجا۔ آپ ﷺ پر اپنی کتاب قرآن حکیم نازل کی۔ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا پیغام لوگوں تک پہنچایا، اس پیغام خداوندی کے اولین مخاطبین وہ خوش بخت اصحاب تھے جنھوں نے آنحضور ﷺ کی دعوت پر لبیک کہا اور ایمان لائے، یہ پاکیزہ، صالح اور مخلص جماعت صحابہ کرام ﴿رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ﴾ کہلائے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے اصحاب کے فضائل و مناقب میں فرمایا ہے۔

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ﴾

[الفتح: 29]

محمد اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں کفار پر سخت ہیں آپس میں رحم دل ہیں۔

اس مبارک جماعت نے اللہ کے نبی ﷺ کی دعوت کو قبول کیا، اللہ کے کلمہ کو بلند کیا، اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اپنا گھر بار قربان کیا، اور اپنی جانوں کے نذرانے پیش کئے، اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت و اتباع کی، اللہ تعالیٰ نے انہی اصحاب مہاجرین و انصار اور اصحاب رسول ﷺ کی تعریف میں فرمایا ہے، ﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ﴾ [المجادلة: 22]، یعنی اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہیں۔

اس یونٹ میں صحابہ کرام کی جماعت میں سے دو عظیم ہستیاں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی سیرت، دورِ خلافت، اہم واقعات اور کارناموں پر بحث کی جائے گی۔

یونٹ کے مقاصد

امید ہے اس یونٹ کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ

1. حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ذاتی احوال آثار سے آگاہ ہو سکیں۔
2. حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دین اسلام کے لیے خدمات کا جائزہ لے سکیں۔
3. المتنبئون، مرتدین اور منکرین زکوۃ کے خلاف حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اقدامات کا جائزہ لے سکیں۔
4. حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدماتِ اسلام سے آگاہ ہو سکیں۔

1. حضرت ابو بکرؓ صدیق کی سیرت اور کارنامے

a. حالات زندگی:

آپ کا نام عبد اللہ ہے، ابو بکر کنیت ہے۔ صدیق اور عتیق لقب ہے۔ عتیق کا لقب رسول اللہ ﷺ نے عطا فرمایا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا"انت عتیق الله من النار"اے ابو بکر تم کو اللہ نے دوزخ سے آزاد کر دیا ہے۔ صدیق کا لقب واقعہ معراج کے موقع پر عطا ہوا۔ حضور اکرم ﷺ نے حضرت جبرائیل سے کہا کہ اس واقعہ کی تصدیق کون کرے گا؟ تو انہوں نے کہا"الصدیق ابو بکر" باپ کا نام عثمان بن عامر ہے اور ان کی کنیت ابو قحافہ ہے۔ ماں کا نام سلمیٰ رضی اللہ عنہا بنت صخر ہے اور امّ الخیر کنیت ہے۔ آپ کی والدہ حضرت ام الخیر سلمیٰ قدیم الاسلام خاتون ہیں۔ انہوں نے چھ نبوت میں اسلام قبول کیا۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ دارارقم میں تشریف فرما تھے۔ آپ کے والد ابو قحافہ نے فتح مکہ کے موقع پر اسلام قبول کیا۔ آپ قریش کی شاخ "بنو تمیم" سے ہیں اور چھٹی پشت میں، بنو مرہ پر آپ رضی اللہ عنہ کا سلسلہ نسب رسول اللہ ﷺ سے جاملتا ہے۔ آپ اپنے والدین کے اکلوتے بیٹے تھے۔ رسول کریم ﷺ کی ولادت باسعادت سے دو سال بعد مکہ میں 573ء میں آپ کی ولادت ہوئی۔

b. خاندان ابو بکر:

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کئی شادیاں کیں۔ اسلام سے پہلے آپ نے بنی عامر بن لوئی کے خاندان میں قتیلہ بنت عبد العزیٰ سے شادی کی۔ ان سے ایک صاحبزادہ عبد اللہ اور ایک صاحبزادی اسماءؓ پیدا ہوئی۔ اسماء کی شادی حضرت زبیر بن العوامؓ سے ہوئی۔ حضرت عبد اللہؓ بن زبیر ان ہی کے فرزند تھے۔ اسی زمانہ میں آپ نے دوسری شادی بنی کنانہ کے خاندان میں ام رومان بنت عامر سے کی۔ ان سے ایک صاحبزداہ عبد الرحمن اور ایک صاحبزادی حضرت عائشہ صدیقہؓ پیدا ہوئیں۔

اسلام کے بعد آپ نے خاندان خشعم میں اسماء بنت عمیسؓ سے شادی کی۔ یہ حضرت جعفرؓ بن ابی طالب کی بیوہ تھیں۔ ان سے ایک صاحبزادہ محمد پیدا ہوئے۔ اسی زمانہ میں آپ نے خاندان خزرج میں حبیبہ بنت خارجہ سے شادی کی۔ ان سے حضرت ابو بکرؓ کی وفات کے بعد ایک صاحبزادی ام کلثوم پیدا ہوئیں۔

اسلام سے پہلے ہی حسن اخلاق، دیانت و امانت اور خاندانی وجاہت میں آپ امتیازی حیثیت رکھتے تھے۔ آپ ایک دولت مند تاجر تھے اور اپنی دولت سے ضرورتمندوں اور محتاجوں کو فائدہ پہنچاتے رہتے تھے۔ جاہلیت کے زمانے میں خون بہا کا مال آپ ہی کے پاس جمع ہوتا تھا، آپ "علم الانساب" کے بھی بہت بڑے عالم تھے۔ ان ذاتی خوبیوں اور حسن اخلاق کا ہی نتیجہ تھا کہ آپ رسول اکرم ﷺ کے قریبی احباب میں شامل تھے اور بچپن سے ہی آپ ﷺ سے دوستی تھی۔ آپ کے اخلاق کے بارے میں ابن الدغنہ نے قریش کے سرداروں سے جو بات اس وقت کہی تھی۔ جب آپ ہجرت حبشہ کے ارادے سے گھر سے نکلے تھے۔ اس میں آپ کی انسان دوستی، صلہ رحمی، غریبوں اور ضرورت مندوں کی خدمت کا ذکر تھا۔ اس نے کہا تھا۔

اتخرج رجلا یکسب المعدوم و یصل الرحم ومحمل الکل و یقری الضیف ویعین علی نو ائب الحق۔

کیا تم ایسے شخص کو نکال رہے ہو جو غریبوں کو کپڑے پہناتا ہے، صلہ رحمی کرتا ہے، معذوروں کا سہارا ہے، مہمانوں کی خدمت کرتا ہے، اور مصیبت میں لوگوں کی مدد کرتا ہے۔

جب حضور ﷺ کا سینہ نبوّت کے نور سے معمور کیا گیا تو سب سے پہلے آزاد مردوں میں اس روشنی کو آپ نے ہی قبول کیا۔ چنانچہ خود حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:۔

"میں نے جس کسی کو اسلام کی دعوت دی اس کی طرف سے کچھ نہ کچھ جھجک ضرور محسوس ہوئی مگر ابو بکرؓ ذرا نہ جھجکے"

c. دعوتِ اسلام:

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے مسلمان ہونے کے ساتھ ہی اسلام کی دعوت و تبلیغ کے لیے جدوجہد شروع کر دی۔ آپؓ نے پیغمبر خدا کی رفاقت کا حق پوری طرح ادا کیا۔ حضورؐ جن قبیلوں، جن بستیوں اور جن میلوں میں خدا کا پیغام سنانے تشریف لے جاتے، حضرت ابو بکرؓ آپ ﷺ کے ہمراہ ہوتے۔ خود حضرت ابو بکرؓ اپنے طور پر اس فرض کو ادا کرنے میں بھی کوئی کسر نہ اٹھا رکھتے۔ بہت سے جلیل القدر صحابہ جن میں حضرت عثمان بن عفّانؓ، حضرت زبیر بن عوامؓ، حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ، حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ، حضرت سعد بن وقاصؓ شامل ہیں، آپ ہی کے تعلق اور اثر سے مشرف بہ اسلام ہوئے۔ جب کفار مکہ کے غلاموں نے اسلام قبول کرنا شروع کیا اور کافروں نے انہیں اس جرم

میں دردناک تکلیفیں پہنچائیں تو حضرت ابو بکرؓ ہی تھے جنہوں نے اپنے روپے سے انہیں خرید خرید کر کافروں کے پنجہء ظلم سے نجات دلائی۔ ایسے اصحاب میں حضرت بلال بن رباحؓ، حضرت عامر بن فہیرہؓ، حضرت ابوفکیہہؓ اور خواتین میں حضرت لبینہ زنیرہؓ، نہدیہ، ام عبیس شامل ہیں۔

d. ہجرتِ حبشہ:

کفّار مکہ نے جب مسلمانوں پر ظلم ڈھانے شروع کئے اور مجبور ہو کر انہوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت ابو بکرؓ نے بھی رسول اللہ ﷺ سے اجازت چاہی اور حبشہ کی طرف روانہ ہوئے۔ جب آپ مقام ''برک الغمار'' میں پہنچے تو قارہ کے سردار ''ابن الدغنہ'' سے ملاقات ہوئی۔ ابن الدغنہ نے پوچھا۔ ابو بکر! کہاں کا ارادہ ہے۔ آپ نے فرمایا۔ مکہ والوں نے جلاوطن کر دیا ہے۔ کسی دوسرے ملک جارہا ہوں جہاں آزادی کے ساتھ اپنے خدا کی عبادت کر سکوں۔'' ابن الدغنہ نے کہا۔ ''ابو بکر! تم جیسا آدمی جلاوطن نہیں کیا جاسکتا۔ تم مفلسوں کی امداد کرتے ہو ،مصیبت زدوں کے کام آتے ہو، مسافروں کے مہمانداری کرتے ہو۔ میں تمہیں اپنی ذمّہ داری پر واپس لے چلوں گا۔ حضرت ابو بکرؓ واپس چلے آئے اور ابن الدغنہ نے اعلان کر دیا کہ ابو بکرؓ میری پناہ میں ہیں انہیں کوئی نہ ستائے۔ کافروں نے کہا ہم ابو بکرؓ سے کچھ نہ کہیں گے مگر ان سے کہہ دو کہ وہ خاموشی کے ساتھ عبادت کر لیا کریں۔

کچھ دن تو حضرت ابو بکرؓ نے اس شرط پر عمل کیا مگر پھر ان کی آزاد طبیعت اعلانِ حق پر اس پابندی کو گوارا نہ کر سکی۔ چنانچہ انہوں نے کھلم کھلا تبلیغی فرائض ادا کرنے شروع کر دیئے۔ جب ابن الدغنہ نے شکایت کی تو صاف کہہ دیا کہ مجھے تمہاری پناہ کی ضرورت نہیں ہے۔ میرے لیے اللہ کی پناہ کافی ہے۔

e. ہجرت مدینہ:

جب مکہ کے کافروں نے اسلام کی روشنی کو قبول کرنے سے انکار ہی نہیں کیا بلکہ اس روشنی کو بجھانے کا بھی پکا ارادہ کر لیا تو رسول اللہ ﷺ نے حکم خداوندی کے مطابق مدینہ منورہ کا عزم فرمایا۔ ایک دن آپ ﷺ نے اپنے رفیق و غمگسار سے اپنے اس ارادہ کا اظہار فرمایا تو حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا یارسولؐ اللہ! کیا مجھے بھی ساتھ چلنے کی اجازت ہے؟ حضورؐ نے فرمایا ''ہاں تیار ہو جاؤ''۔

حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا یارسولؐ اللہ! میں نے تو اس دن کی تمنا میں پہلے ہی سے دو اونٹنیاں تیار کر رکھی ہیں''۔

اس تاریخی سفر کا تمام انتظام حضرت ابو بکرؓ کے گھر سے ہوا۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت اسماءؓ نے سامان سفر درست کیا۔ حضرت اسماءؓ نے اپنا کمر بند کھول کر دو ٹکڑے کئے اور ایک ٹکڑے سے توشہ دان باندھا اور ''ذوالنطاقین'' کا خطاب حاصل کیا۔ عبداللہ بن ابی بکرؓ مکہ کے حالات کی اطلاع پہنچانے پر مقرر ہوئے اور حضرت ابو بکرؓ کے غلام عامر بن فہیرہ کے سپرد یہ خدمت ہوئی کہ وہ بکریاں لے کر غار ثور چلے آیا کریں اور تازہ دودھ پلایا کریں۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کو اپنے بستر پر لٹا کر اور حضرت ابو بکرؓ کو اپنے ساتھ لے کر مکہ سے اندھیری رات میں چپکے سے باہر نکلے اور غارِ ثور پر جا کر پہلی منزل کی۔ جب کافروں کو معلوم ہوا کہ ان کی سازش ناکامیاب رہی ہے تو انہوں نے آپ ﷺ کی تلاش میں چاروں طرف آدمی دوڑائے۔ کچھ لوگ تلاش کرتے کرتے عین غار کے منہ پر پہنچ گئے۔ حضرت ابو بکرؓ گھبرانے لگے اور عرض کیا یارسولؐ اللہ اگر کافر نیچے کی طرف نظر ڈالیں گے ہمیں دیکھ لیں گے۔ حضورؐ نے بڑے اطمینان کے ساتھ فرمایا۔ اے ابو بکر! غم نہ کرو خدا ہمارے ساتھ ہے۔ قرآن مجید نے اس واقعہ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:۔

{اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا} (التوبۃ :40)

''اگر تم رسول اللہ کی مدد نہ کرو گے (تو نہ سہی) اللہ نے تو اس کی اس وقت مدد کی ہے جب اسے کافروں نے اس کے رفیق کے ساتھ نکال دیا تھا۔ وہ (رسول) ان دو (رسول اکرم اور ابو بکر صدیق) میں دوسرے تھے جب وہ دونوں غار میں تھے اور وہ (رسول) اپنے ساتھی سے کہہ رہے تھے غم نہ کرو خدا ہمارے ساتھ ہے۔''

اس طرح رسول اللہ ﷺ اپنے یارِ غار کے ساتھ دن کو چھپتے ہوئے اور رات کو سفر کرتے ہوئے مدینہ منورہ پہنچے۔ اور تاریخ اسلام میں فتح صداقت اور غلبہ حق کے باب کا آغاز ہوا۔

f. غزوات میں شرکت:

ہجرت کے بعد جب کفار سے لڑائیوں کا سلسلہ جاری ہوا تو حضرت ابو بکرؓ تمام لڑائیوں میں شامل ہوئے اور اپنی بہادری اور جان نثاری کا پورا پورا ثبوت دیا۔ بعض اتفاقی اسباب سے غزوۂ احد اور غزوۂ حنین میں مسلمانوں کو کچھ

نقصان پہنچا اور اسلامی لشکر کے بعض سپاہیوں سے انسانی کمزوریاں ظاہر ہوئیں لیکن لشکر اسلام کا یہ بہادر جرنیل اپنی جگہ پہاڑ کی طرح جما رہا اور رسول اللہ ﷺ کی رفاقت کا پورا پورا حق ادا کیا۔

غزوۂ تبوک کے موقع پر گھر میں جو کچھ موجود تھا لا کر اپنے آقا کے قدموں میں ڈال دیا اور جب حضورؐ نے پوچھا اے ابو بکرؓ تم نے کچھ بال بچوں کے لیے بھی چھوڑا تو نہایت بے پرواہی کے ساتھ جواب دیا کہ

"ان کے لیے اللہ اور رسول ﷺ کافی ہیں"۔

g. امارت حج:

فتح مکہ کے بعد اگلے سال رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ کو اپنا قائم مقام اور امیر الحج بنا کر روانہ فرمایا۔ حضرت ابو بکرؓ نے امیر الحج کی حیثیت سے مسلمانوں کی قیادت کی اور خطبہ دیا۔ اور حضرت علیؓ آپ کے ساتھ تھے انھوں نے رسول اللہ ﷺ کا وہ تاریخی اعلان پڑھ کر سنایا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرے گا۔

h. امامت جماعت:

رسول اللہ ﷺ کی علالت شروع ہوئی اور ضعف جب بڑھ گیا تو آپ ﷺ نماز کے لیے حجرہ اقدس سے نکل کر مسجد میں آئے اور نماز کی امامت کرانا دشوار ہوا، تو آپ نے حضرت ابو بکرؓ کو حکم دیا کہ وہ نماز پڑھائیں۔ آپ نے کل سترہ نمازیں حیات نبوی ﷺ میں پڑھائیں۔ دنیا سے رخصت کے دن، نماز فجر کے وقت حضور ﷺ نے حجرہ شریفہ کا پردہ اٹھایا۔ آپ نے دیکھا کہ مسلمان حضرت ابو بکرؓ کی امامت میں کامل اتحاد و اطمینان کے ساتھ اپنا دینی فرض ادا کر رہے ہیں تو بے اختیار مسکرا دیئے اور پھر پردہ کھینچ لیا۔

رسول اکرم ﷺ کے وصال کی خبر آپ کے جان نثاروں پر بجلی بن کر گری۔ وہ کسی صورت اپنے آقا و مولا کی جدائی کے تصور کے لیے بھی تیار نہ تھے۔ حضرت عمرؓ تو تلوار کھینچ کر کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے جو یہ کہے گا کہ رسول اللہ ﷺ کا وصال ہو گیا میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔ حضرت ابو بکرؓ اس روز رسول کریم ﷺ کے مرض میں تخفیف دیکھ کر مقام "سُنح" تشریف لے گئے تھے۔ جب واپس آئے اور یہ ہنگامہ دیکھا تو حضرت عمرؓ سے کہا کہ تم بیٹھ جاؤ۔ مگر جب وہ نہ مانے تو الگ اپنی تقریر شروع کر دی۔ صحابہ کا مجمع آپ کی آواز کی طرف ڈھل گیا۔

آپ نے فرمایا۔

"جو لوگ محمد ﷺ کی عبادت کرتے تھے انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ آپ ﷺ کا تو وصال ہو گیا۔ لیکن جو لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ زندہ ہے اور وہ کبھی نہ مرے گا پھر یہ آیت پڑھی:۔

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَى أَعْقَابِكُمْ﴾ [آل عمران: 144]

"محمد ﷺ ایک رسول ہی تو ہیں جن سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں تو کیا اگر وہ وفات پا جائیں یا شہید ہو جائیں تو تم اسلام سے الٹے پاؤں پھر جاؤ گے"۔

آپ کی اس تقریر نے فوری اثر کیا اور صحابہؓ فرماتے ہیں کہ ہمیں ایسا معلوم ہوا گویا یہ آیت آج ہی نازل ہوئی ہے۔

2. خلافت صدیقی کے اہم کارنامے

حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خلافت کے دوران (دو سال، تین ماہ، اور گیارہ دن) کئی اہم کارنامے انجام دیئے گئے، جن میں اسلامی حکومت کا تحفظ، اسلامی فتوحات کا آغاز، دینی خدمات کی فراہمی، اور خلافت اسلامی کا مضبوط ادارہ قائم کرنا شامل ہیں۔

a. لشکر اسامہ بن زید کی روانگی:

رسول اکرم ﷺ نے اپنی وفات سے قبل رومیوں کے خلاف جنگ کے لیے لشکر تیار کرنے کا حکم دیا اور حضرت اسامہ بن زیدؓ کو اس کا سردار مقرر کیا۔ وفات کے بعد عرب میں ارتداد کی وبا پھیل گئی، لیکن حضرت ابو بکرؓ نے اس لشکر کی روانگی ملتوی کرنے سے انکار کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ وہ اس جھنڈے کو نہیں کھول سکتے جو رسول اللہ ﷺ نے خود باندھا تھا۔

حضرت ابو بکرؓ نے لشکر کو روانہ کرنے کا حکم دیا اور خود اسامہؓ کو رخصت کرنے گئے۔ انہوں نے اسامہؓ کو نصیحتیں کیں، جیسے کہ خیانت نہ کرنا، دھوکا نہ دینا، اور بے گناہوں کو نقصان نہ پہنچانا۔ یہ لشکر یکم ربیع الثانی 11 ہجری کو روانہ ہوا اور چالیس دن بعد فتح کے ساتھ واپس آیا۔ اس مہم نے مرتدین کے حوصلے توڑے اور اسلام کی طاقت کو ثابت کیا، جس سے بہت سے قبیلے دوبارہ اسلام میں داخل ہوئے۔

b. ردہ جنگیں 11-12 ہجری:

فتنۂ ارتداد کے دوران (11-12 ہجری) عرب میں کئی اہم اسباب اور واقعات پیش آئے جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

i. فتنۂ ارتداد کے اسباب:

قبائلی تقسیم: عرب قبائل اسلام سے پہلے مختلف گروہوں میں بٹے ہوئے تھے۔ اسلام نے انہیں ایک ملت میں تبدیل کیا، لیکن کچھ لوگوں نے اسے اپنی آزادی کی زنجیر سمجھا۔

زکوٰۃ کی عدم ادائیگی: زکوٰۃ کا نظام اسلامی حکومت کا ایک اہم رکن تھا، مگر بعض قبائل نے اسے ادا کرنے سے انکار کر دیا۔

شراب اور زنا: اسلام کے قوانین نے شراب اور زنا پر پابندیاں عائد کیں، جو بعض لوگوں کے لیے ناقابل قبول تھیں۔

جھوٹی نبوت: رسول اللہ ﷺ کی کامیابی سے متاثر ہو کر کچھ افراد نے جھوٹی نبوت کا دعویٰ کیا۔

ii. مرتدین کے طبقات

عہد صدیقی میں مرتدین کو تین بنیادی گروہوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

مانعین زکوٰۃ: وہ لوگ جو زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کرتے تھے۔

جھوٹے نبی: جیسے مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی، جنہوں نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا۔

مرتد افراد: جو اسلام چھوڑ کر اپنے پرانے مذہب کی طرف لوٹ گئے۔

iii. مانعین زکوٰۃ

بعض بدوی مسلمانوں نے زکوٰۃ کو جرمانہ سمجھا اور کچھ نے یہ خیال کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد اس کی ضرورت نہیں۔ حضرت ابو بکرؓ نے ان کے خلاف جہاد کا اعلان کیا، یہ کہتے ہوئے کہ اگر کوئی ایک بکری کا بچہ دینے سے بھی انکار کرے تو وہ جہاد کریں گے۔ ان کی قیادت میں مسلمانوں نے کامیابی حاصل کی اور بہت سے لوگ دوبارہ اسلام قبول کر لیا۔

iv. جھوٹے نبی

چند افراد جیسے مسیلمہ کذاب، طلحہ اسدی، اور سجاح بنت الحارث نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ ان کے دعوے جلد ہی ناکام ہو گئے، مگر انہوں نے مسلمانوں کے لیے چیلنج پیدا کیا۔

v. جنگیں

ردہ کی جنگیں حضرت ابو بکرؓ کی قیادت میں لڑی گئیں، جن میں خالد بن ولیدؓ جیسے صحابہ شامل تھے۔ یہ جنگیں اسلامی سرزمین کے مختلف حصوں میں ہوئیں اور ان کا مقصد مرتدین کو قابو کرنا تھا۔ جنگ یمامہ خاص طور پر مشہور ہے جہاں مسیلمہ کذاب کو ہلاک کیا گیا۔ ان جنگوں نے اسلامی ریاست کو مضبوط کیا اور مرتدین کے حوصلے توڑ دیے۔

c. ارتداد کے خلاف صدیقی اقدامات

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ارتداد کے فتنہ کے خاتمے کے لیے متعدد مؤثر اقدامات کیے، جن میں سے اہم یہ ہیں:

i. فوجی مہمات کی تشکیل

دستوں کی تقسیم: حضرت ابو بکرؓ نے اسلامی فوج کو گیارہ دستوں میں تقسیم کیا، ہر دستہ کا ایک الگ سردار مقرر کیا اور انہیں مختلف علاقوں میں روانہ کیا تاکہ مرتدین اور جھوٹے نبیوں کے خطرے کا قلع قمع کیا جا سکے۔

سرداروں کی تعیناتی: ان سرداروں میں خالد بن ولید، عکرمہ بن ابی جہل، اور عمرو بن عاص شامل تھے، جنہیں مختلف مقامات پر بھیجا گیا تاکہ وہ مرتدین کا مقابلہ کریں۔

ii. عام پیغام

حضرت ابو بکرؓ نے مرتدین کے نام ایک عمومی پیغام بھیجا جس میں انہیں اسلامی برادری میں واپس آنے کی دعوت دی گئی۔ اس پیغام میں وعدہ کیا گیا کہ اگر وہ واپس آئیں گے تو ان سے تعرض نہیں کیا جائے گا۔

iii. ہدایات برائے مجاہدین

حضرت ابو بکرؓ نے مجاہدین کو ہدایت کی کہ:

1. وہ ہر حال میں خدا سے ڈریں۔
2. مرتدین کو اسلام کا پیغام پہنچائیں اور انہیں سمجھائیں۔

3. اگر وہ اسلام قبول کرلیں تو ان کے ساتھ نرمی برتیں، ورنہ ان پر حملہ کریں۔

iv. اہم مہمات

طلحہ اسدی کے خلاف مہم: طلحہ نے نبوّت کا دعویٰ کیا اور اپنے قبیلے کے لوگوں کو اپنے ساتھ ملایا۔ حضرت خالد بن ولیدؓ نے اس کے خلاف مہم چلائی اور طلحہ کی فوج کو شکست دی۔

مالک بن نویرہ کے خلاف مہم: مالک بن نویرہ نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا اور جنگ شروع کی۔ حضرت خالد بن ولیدؓ نے اسے گرفتار کر کے قتل کرنے کا حکم دیا، جس پر کچھ اختلافات ہوئے لیکن حضرت ابو بکرؓ نے فیصلہ کیا کہ خالد کی غلطی پر قصاص نہیں لیا جائے گا-

v. مسیلمہ کذّاب کے خلاف مہم:

مسیلمہ کذاب کا دعویٰ نبوت اور اس کے خلاف جنگ یمامہ کے واقعات اسلامی تاریخ میں اہمیت کے حامل ہیں۔

vi. مسیلمہ کذاب کا دعویٰ

مسیلمہ بن حبیب، جو قبیلہ بنی حنیفہ سے تعلق رکھتا تھا، نے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ہی نبوت کا دعویٰ کیا۔ جب وہ 9 ہجری میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس نے شرط رکھی کہ اسے خلیفہ مقرر کیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے واضح طور پر رد کرتے ہوئے کہا کہ وہ کاذب ہے۔ بعد میں، مسیلمہ نے یمامہ واپس جا کر نبوت کا دعویٰ کیا اور لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی۔

vii. جنگ یمامہ

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے مسیلمہ کے خلاف کارروائی کا آغاز کیا۔ انہوں نے عکرمہ بن ابی جہل کو یمامہ بھیجا، مگر عکرمہ کو ابتدائی لڑائی میں شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ بعد میں، حضرت خالد بن ولیدؓ کو اس مہم پر بھیجا گیا۔ انہوں نے اپنی فوج کے ساتھ مسیلمہ کے چالیس ہزار افراد پر مشتمل لشکر کا مقابلہ کیا۔

جنگ یمامہ میں مسلمانوں کو ابتدائی طور پر مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، لیکن حضرت خالد بن ولیدؓ کی قیادت میں مسلمانوں نے سنبھل کر حملہ کیا اور مسیلمہ کی فوج میں بھگدڑ مچ گئی۔ مسیلمہ خود میدان جنگ سے بھاگ گیا اور اپنے باغ

"حدیقۃ الرحمن" میں پناہ لی۔ ایک بہادر انصاری حضرت براء بن مالک نے باغ کے دروازے کو کھولنے کے لیے خود کو پھینک دیا، جس کے بعد مسلمان باغ میں داخل ہوئے اور مسیلمہ کے ساتھیوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ آخر کار، مسیلمہ بھی حضرت وحشی بن حرب کے ہاتھوں مارا گیا۔

مسیلمہ کی موت کے بعد بنی حنیفہ نے مسلمانوں سے نرم شرائط پر صلح کر لی، اور بعد میں اس قبیلے نے اسلام قبول کر لیا۔ اس جنگ نے اسلامی سلطنت کے لیے ایک بڑے خطرے کا خاتمہ کیا اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کی قیادت میں اسلامی ریاست کی مضبوطی کا باعث بنی۔ یہ واقعہ اسلامی تاریخ میں ایک اہم سنگ میل ہے اور اس نے ثابت کیا کہ جھوٹے مدعیان نبوت کو کس طرح ناکام بنایا گیا۔

d. فتنہ بحرین اور اس کا انسداد:

بحرین میں ربیعہ کے بہت سے قبائل عبد القیس اور بنو بکر بن وائل وغیرہ آباد تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اہل بحرین کا بھی ایک وفد حاضر ہوا تھا اور یہ اسلام لے آئے تھے۔ آنحضرتؐ نے منذر بن ساوی کو ان کا عامل مقرر فرمایا تھا۔

جونہی حضورؐ کی وفات ہوئی منذر بن ساوی کا بھی انتقال ہو گیا اور اہل بحرین مرتد ہو گئے۔ بنو بکر تو ارتداد پر اڑے رہے مگر عبد القیس اپنے سردار حضرت جارود بن معلی کی بدولت اس فتنہ سے نکل آئے۔ عبد القیس کے اس طرح دوبارہ مسلمان ہونے کی خبر بنو بکر کے سردار حطم بن ضبیعہ کو پہنچی تو وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر ان کے مقابلہ کے لیے نکلا اور ان کا محاصرہ کر لیا۔ حطم بن ضبیعہ کے ساتھ اور بھی بہت سے کفار اور مرتدین مل گئے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ نے علاء بن حضرمی کو حطم کے مقابلہ کے لیے روانہ کیا۔ راستہ میں ثمامہ بن اثال اور قیس بن عاصم بھی بنی حنیفہ اور بنی تمیم کے آدمیوں کو لے کر ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔ حطم کے ساتھیوں میں سے کچھ جزیرہ دارین (خلیج فارس میں بحرین کے قریب ایک جزیرہ ہے) میں جا چھپے۔ مسلمان سمندر میں گھس کر وہیں پہنچے اور انہیں قتل کیا، ان کے علاوہ عمان کے بعض قبائل اور قبیلہ کندہ کے لوگ بھی مرتد ہو گئے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ کے بھیجے ہوئے سپہ سالاروں کی ان سے بھی لڑائیاں ہوئیں اور ہر جگہ مسلمان ہی فتح یاب ہوئے۔

e. فتنہ ارتداد کا خاتمہ:

یہ فتنۂ ارتداد اور اس کے انسداد کی مختصر روئیداد ہے۔ ان واقعات سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی وفات ہوتے ہی عرب میں ارتداد کی جو سہر اٹھی تھی اسے حضرت ابو بکرؓ نے عزم راسخ سے دبا دیا۔ درحقیقت رسول اللہ کے بعد اسلام کی حفاظت و اشاعت میں حضرت ابو بکرؓ کا مسلمانوں پر سب سے بڑا احسان ہے۔ خلافتِ صدیقی کے اس ابتدائی دور میں مسلمان چاروں طرف سے دشمنوں سے گھر گئے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے الفاظ میں ان کی حالت بکریوں کے اس ریوڑ کی سی تھی جو جاڑوں کی ٹھنڈی رات میں بارش کی حالت میں جنگل بیابان میں بغیر چرواہے کے رہ جائے۔ مگر صدیق اکبرؓ کی ایمانی قوت نے دشمنوں کی طاقت کی پرواہ نہ کی اور ان کے سامنے فولادی دیوار بن کر کھڑے ہو گئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو فتح و نصرت عطا فرمائی۔

f. عہد صدیقی کی فتوحات

حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خلافت کا دوسرا اہم کارنامہ اسلامی فتوحات کا آغاز تھا، جو ردہ جنگوں کے بعد شروع ہوا۔ اس دوران باغیوں نے قریبی ممالک جیسے ایران، عراق اور شام میں پناہ لی، جس کی وجہ سے ان علاقوں کے حکمرانوں نے اسلامی ریاست کے خلاف انتقام لینے کی کوششیں شروع کیں۔

i. فتوحات کا آغاز

حضرت ابو بکرؓ نے مشورے کے بعد ان سرحدی شرارتوں کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا اور فوجیں بھیجیں۔ ان کی قیادت میں مسلمانوں نے بے مثال کامیابیاں حاصل کیں، جس کے نتیجے میں اسلامی ریاست جزیرہ نما عرب سے نکل کر دیگر ممالک میں پھیل گئی۔

ii. اہم فتوحات

عراق: حضرت ابو بکرؓ نے مثنیٰ بن حارثہ کو عراقی قبائل کے خلاف بھیجا، جنہوں نے ایرانی حکومت کے خلاف کامیاب مہمات چلائیں۔

شام: حضرت خالد بن ولیدؓ کو شام کی مہم پر بھیجا گیا، جہاں انہوں نے جنگ اجنادین سمیت کئی معرکوں میں شاندار کامیابی حاصل کی۔

iii. حضرت ابو بکرؓ کی وفات

حضرت ابو بکرؓ 21 جمادی الاخر 13 ہجری کو 63 سال کی عمر میں انتقال کر گئے۔ آپ کی وصیت تھی کہ آپ کا کفن وہی کپڑا ہو جو آپ کے بدن پر ہے۔ آپ کی خلافت کی مدت دو سال، تین مہینے اور گیارہ دن رہی۔ آپ نے اپنی خلافت کے دوران اصول بنایا کہ جو کچھ بھی آمدنی ہو، فوراً تقسیم کر دی جائے۔ آپ نے فرمایا کہ جو شخص کمزور ہے وہ آپ کے نزدیک سب سے زیادہ قوی ہے جب تک کہ اس کا حق نہ دیا جائے۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کا دور خلافت اسلامی تاریخ میں ایک اہم سنگ میل ہے، جس میں فتوحات اور داخلی استحکام دونوں کو یقینی بنایا گیا۔ ان کی قیادت میں اسلامی ریاست نے نہ صرف اپنے حدود کو محفوظ کیا بلکہ نئے علاقوں میں بھی اسلام کی تبلیغ کی۔

3. حضرت عمر فاروقؓ، سیرت، خلافت اور کارنامے

a. نام و نسب اور خاندان

حضرت عمر بن خطابؓ، جو کہ اسلامی تاریخ کی ایک اہم شخصیت ہیں، کا نام "عمر" اور کنیت "ابو حفص" ہے۔ آپ کا لقب "فاروق" ہے، جو کہ آپ کو رسول اللہ ﷺ کی طرف سے عطا کیا گیا۔ آپ کا سلسلہ نسب نویں پشت میں رسول اللہ ﷺ سے ملتا ہے:

i. سلسلہ نسب:

عمر بن خطاب بن نفیل بن عبد العزی بن رباح بن عبد اللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب بن لوی بن فہر بن مالک آپ کے والد کا نام "خطاب" اور والدہ کا نام "**خنتمہ**" تھا، جو عرب کے مشہور سردار ہشام بن مغیرہ کی بیٹی تھیں۔

ii. عہد جاہلیت

حضرت عمرؓ کا خاندان عہد جاہلیت میں بھی نہایت ممتاز تھا۔ آپ کے جد اعلیٰ عدی قریش کے باہمی معاملات میں ثالثی کیا کرتے تھے اور ان کی سفارت کاری کا عہدہ نسل در نسل چلتا آیا۔ حضرت عمرؓ نے بچپن میں مکی سماج کے رسم ورواج کے مطابق زندگی گزاری اور جوانی میں سپہ گری، خطابت، اور لکھنے پڑھنے میں مہارت حاصل کی۔

iii. قبول اسلام

آپ اسلام قبول کرنے سے پہلے اسلام کے شدید مخالفین میں شمار ہوتے تھے، خاص طور پر ابو جہل کے ساتھ مل کر۔ تاہم، ایک مشہور واقعہ کے تحت جب آپ نے اپنی بہن اور بہنوئی کو مسلمان پایا تو آپ نے ان پر حملہ کیا، لیکن اس واقعے نے آپ کے دل میں اسلام کی محبت پیدا کر دی۔ آپ نے قرآن کی آیات سن کر اسلام قبول کیا اور اس کے بعد اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کیا۔

حضرت عمرؓ کے اسلام لانے سے مسلمانوں کی حالت بدل گئی، کیونکہ آپ نے اپنے ایمان کا بھرپور اظہار کیا اور مسلمانوں کو حوصلہ دیا کہ وہ اعلانیہ طور پر کعبہ میں نماز ادا کریں۔ آپ کی شجاعت اور قیادت نے اسلامی تحریک کو ایک نئی قوت بخشی۔ آپ کی شخصیت اور کارنامے اسلامی تاریخ میں ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں، اور آپ کو "فاروق" کا لقب اس لیے دیا گیا کہ آپ نے حق و باطل کے درمیان واضح فرق قائم کیا۔

b. ہجرت

حضرت عمرؓ 7 نبوی میں اسلام لائے تھے، اور 13 نبوی میں ہجرت ہوئی، اس طرح گویا انھوں نے اسلام لانے کے بعد تقریباً 6-7 برس تک قریش کے مظالم برداشت کئے جب مسلمانوں کو مدینہ کی جانب ہجرت کی اجازت ہوئی تو حضرت عمرؓ بھی اس سفر کے لیے آمادہ ہوئے، اور بارگاہ نبوت ﷺ سے اجازت لے کر چند آدمیوں کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے اور اس شان کے ساتھ روانہ ہوئے کہ پہلے مسلح ہو کر مشرکین کے مجمعوں سے گذرتے ہوئے خانہ کعبہ پہنچے، نہایت اطمینان سے طواف کیا، نماز پڑھی، پھر مشرکین سے مخاطب ہو کر کہا کہ جس کو مقابلہ کرنا ہو وہ مکہ سے باہر نکل کر مقابلہ کرلے، لیکن کسی کی ہمت نے یاری نہ کی، اور وہ مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

آنحضرت ﷺ نے مدینہ تشریف لانے کے بعد غریب الوطن مہاجرین کے رہنے سہنے کا اس طرح انتظام کیا کہ ان میں اور انصار میں برادری قائم کر دی، اس رشتے کے قائم کرنے میں فرقِ مراتب کا خاص طور پر لحاظ رکھا گیا تھا، یعنی جو مہاجر جس رتبہ کا تھا اسی حیثیت کے انصاری سے اس کی برادری قائم کی گئی تھی، چنانچہ حضرت عمرؓ کے برادر اسلام حضرت عتبان بن مالکؓ قرار پائے تھے جو قبیلہ بنی سالم کے معزز رئیس تھے۔

c. غزوات میں شرکت

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی زندگی اور خدمات اسلامی تاریخ میں ایک اہم مقام رکھتی ہیں۔ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام غزوات میں شرکت کی اور اپنی شجاعت و بہادری کے جوہر دکھائے۔ آپ کی شمولیت نے مسلمانوں کو نہ صرف حوصلہ دیا بلکہ ان کی قیادت میں کئی اہم معرکوں میں کامیابیاں بھی حاصل ہوئیں۔ آپ نے جن غزوات میں شرکت فرمائی اس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

غزوہ بدر: یہ پہلا بڑا معرکہ تھا جہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اہم کردار ادا کیا۔ مشرکین کے قریش کے سرداروں کے ساتھ اس معرکے میں مسلمانوں نے فتح حاصل کی، لیکن اس دوران قیدیوں کے معاملے پر اختلاف ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ قیدیوں کو قتل کر دینا چاہیے، جبکہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فدیہ لے کر چھوڑنے کی رائے دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر کار ابو بکر رضی اللہ عنہ کی رائے کو پسند کیا، لیکن اللہ تعالیٰ نے بعد میں عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کو درست قرار دیا۔

غزوہ احد: اس معرکے میں قریش کی تعداد مسلمانوں سے زیادہ تھی۔ یہاں بھی حضرت عمرؓ نے بہادری کا مظاہرہ کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لیے آگے بڑھے۔ جب کفار نے پیچھے سے حملہ کیا تو آپ نے ان کا مقابلہ کیا۔

غزوہ خندق: اس معرکے میں بھی آپ نے اہم کردار ادا کیا۔ آپ کو ایک خاص جگہ پر مقرر کیا گیا تھا تاکہ دشمن ادھر سے نہ آسکے، اور آپ نے اپنی ذمہ داری کو بخوبی نبھایا۔

صلح حدیبیہ: اس موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے معاہدے کی شرائط پر سوال اٹھایا تھا، جس سے ان کی غیرت اور دین کے لیے محبت کا پتہ چلتا ہے۔ بعد میں انہوں نے اس معاہدے پر دستخط کیے۔

فتح مکہ: 8 ہجری میں مکہ کی فتح کے موقع پر حضرت عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر لوگوں سے بیعت لی اور فتح مکہ کے بعد بھی اہم کردار ادا کیا۔

غزوہ حنین: اس جنگ میں بھی آپ نے ثابت قدمی دکھائی اور مسلمانوں کو حوصلہ دیا۔

مہمات تبوک: 9 ہجری میں قیصر روم کے خلاف تیاریوں میں بھی آپ کا کردار نمایاں رہا، جہاں آپ نے اپنی دولت کا نصف حصہ جہاد کے لیے پیش کیا۔

i. خلافت

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ نامزد کیا گیا۔ آپ کی خلافت کے دوران اسلامی ریاست کی حدود وسیع ہوئیں، جس میں شام، عراق، اور ایران شامل تھے۔ آپ نے انتظامی اصلاحات متعارف کرائیں اور اسلامی قوانین کو نافذ کیا، جس سے معاشرتی انصاف کو فروغ ملا۔

d. خلافت اور فتوحات

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تریسٹھ برس کی عمر میں اواخر جمادی الثانی دوشنبہ کے روز وفات پائی اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مسند آرائے خلافت ہوئے، خلیفہ سابق کے عہد میں مدعیان نبوت، مرتدین عرب اور منکرین زکوۃ کا خاتمہ ہو کر فتوحات ملکی کا آغاز ہو چکا تھا، یعنی 12 ہجری میں عراق پر لشکر کشی ہوئی، اور حیرہ کے تمام اضلاع فتح ہو گئے، اس طرح 13 ہجری میں شام پر حملہ ہوا اور (اسلامی فوجیں سرحدی اضلاع میں پھیل گئیں، ان مہمات کا آغاز ہی تھا کہ خلیفۂ وقت نے انتقال کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عنان خلافت ہاتھ میں لی تو ان کا سب سے اہم فرض انہی مہمات کو تکمیل تک پہنچانا تھا۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا دور خلافت (13-23 ہجری) اسلامی تاریخ میں ایک مثالی دور کے طور پر جانا جاتا ہے، جس میں انہوں نے نظام حکومت کو منظم اور مستحکم کرنے کے لیے کئی اہم اقدامات کیے۔ ان کے دور میں اسلامی سلطنت کی حدود وسیع ہوئیں اور انتظامی ڈھانچہ مضبوط ہوا۔

i. شورائیت

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت شورائی طرز حکومت پر مبنی تھی، جہاں ملکی و قومی مسائل مجلس شوریٰ میں پیش کیے جاتے تھے۔ اس مجلس کے اہم ارکان میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، اور دیگر صحابہ شامل تھے۔ مجلس شوریٰ کے علاوہ ایک عام مجلس بھی تھی جس میں مہاجرین و انصار اور قبائل کے سرداران شریک ہوتے تھے۔ مسائل پر بحث و مباحثہ کے بعد فیصلے کیے جاتے تھے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس عمل کو بہت اہمیت دیتے تھے۔

ii. صوبوں اور ضلعوں کی تقسیم

حضرت عمرؓ نے اسلامی سلطنت کو آٹھ صوبوں میں تقسیم کیا: مکہ، مدینہ، شام، جزیرہ، بصرہ، کوفہ، مصر، اور فلسطین۔ ہر صوبے میں ایک والی (حاکم)، کاتب (سیکرٹری)، صاحب الخراج (خزانہ دار)، اور قاضی (جج) مقرر کیے گئے۔ عہدہ داروں کا انتخاب عموماً مجلس شوریٰ میں ہوتا تھا۔

iii. احتساب

حضرت عمرؓ نے حکام کی نگرانی اور عوام کی اخلاقیات کی حفاظت پر زور دیا۔ انہوں نے اپنے عاملوں سے عہد لیا کہ وہ سادگی اختیار کریں اور عوام کے ساتھ انصاف کریں۔ اگر کسی عامل کی مالی حالت میں غیر معمولی ترقی ہوتی تو وہ اس کا جائزہ لیتے اور ضرورت پڑنے پر ان سے مالیات واپس لیتے تھے۔

iv. محکمہ پولیس

امن و امان قائم کرنے کے لیے حضرت عمرؓ نے ایک مستقل محکمہ پولیس قائم کیا جس کا افسر "صاحب الاحداث" کہلاتا تھا۔ یہ افسران نہ صرف امن برقرار رکھتے تھے بلکہ احتساب کی ذمہ داری بھی نبھاتے تھے۔ آپ نے جیل خانوں کا نظام بھی متعارف کرایا۔

v. بیت المال

حضرت عمرؓ نے مستقل خزانہ (بیت المال) قائم کیا، جس کے تحت تمام آمدنی کو جمع کیا جاتا تھا اور پھر اسے ضرورت مندوں میں تقسیم کیا جاتا تھا۔ اس خزانے کا انتظام مختلف صوبوں میں الگ افسران کے ذریعے کیا جاتا تھا۔

vi. تعمیرات

حضرت عمرؓ کے دور میں تعمیراتی کام بھی بڑھتا گیا۔ انہوں نے مسافروں کے لیے سرائیں، پل، سڑکیں، اور فوجی ضروریات کے لیے قلعے تعمیر کروائے۔ آپ نے مدینہ اور مکہ کے درمیان سفر کو آسان بنانے کے لیے چوکیاں اور چشمے بنوائے۔

e. نئے شہروں کی آبادکاری:

حضرت عمر بن خطابؓ کا دور خلافت (13-23 ہجری) اسلامی تاریخ میں ایک نمایاں حیثیت رکھتا ہے، جس میں انہوں نے نہ صرف فتوحات کیں بلکہ نئے شہروں کی بنیاد بھی رکھی۔ ان کی قیادت میں مسلمانوں نے شام، عراق، اور مصر جیسے علاقوں میں مستقل آبادیاں قائم کیں۔ بصرہ کا شہر 14 ہجری میں عتبہ بن غزوان کے ذریعے آباد ہوا، جہاں ابتدائی طور پر آٹھ سو افراد نے سکونت اختیار کی، جو جلد ہی بڑھ کر ایک لاکھ بیس ہزار تک پہنچ گئی۔ کوفہ شہر حضرت سعد بن وقاصؓ کے حکم سے آباد ہوا، جہاں چالیس ہزار افراد کے لیے مکانات تعمیر کیے گئے اور جامع مسجد بھی بنائی گئی۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے دریائے نیل کے قریب فسطاط نامی شہر آباد کیا، جو مصر کا صدر مقام بن گیا۔ موصل کا شہر پہلے ایک گاؤں تھا، جسے حضرت عمرؓ نے ہرثمہ بن عرفجہ کے ذریعے آباد کیا، جبکہ جیزہ میں ایک قلعہ تعمیر کرایا تاکہ رومیوں کے حملے سے بچا جا سکے۔ یہ تمام اقدامات اسلامی ریاست کی توسیع اور ترقی میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

f. فوجی انتظامات:

حضرت عمر بن خطابؓ کے دور خلافت میں اسلامی سلطنت کی وسعت کے ساتھ ہی ایک منظم اور باقاعدہ فوجی نظام کی ضرورت محسوس کی گئی۔ انہوں نے ابتدائی طور پر قریش اور انصار سے آغاز کرتے ہوئے فوجی رجسٹر تیار کرنے کا حکم دیا، جس میں ہر فرد کا نام و نسب درج کیا گیا۔ اس کے نتیجے میں مہاجرین اور انصار کی بیویوں کی تنخواہ 200 سے 400 درہم تک مقرر کی گئی، جبکہ اہل بدر کی اولاد کو دو ہزار درہم سالانہ دیے گئے۔ حضرت عمرؓ نے بعد میں اس نظام کو تمام قبائل عرب تک پھیلایا، یہاں تک کہ شیر خوار بچوں کے لیے بھی وظائف مقرر کیے گئے۔ انہوں نے فوج کی تربیت کے لیے سخت ہدایات جاری کیں، جیسے تیر اندازی، گھوڑے دوڑانا، اور ننگے پاؤں چلنا۔ فوجی مراکز مدینہ، کوفہ، بصرہ، موصل، فسطاط، دمشق، حمص، اردن اور فلسطین میں قائم کیے گئے۔ حضرت عمرؓ نے یہ بھی یقینی بنایا کہ مفتوحہ ممالک میں کوئی شخص زراعت یا تجارت نہ کرے تاکہ سپاہیانہ جوہر متاثر نہ ہو۔ ان کے دور میں فوجی بارکیں اور چھاؤنیاں بھی بنائی گئیں تاکہ فوجی ہمیشہ تیار رہیں۔ اس طرح حضرت عمرؓ نے اسلامی سلطنت کے دفاع اور انتظام کے لیے ایک مضبوط اور منظم نظام قائم کیا۔

4. حضرت عمر فاروقؓ کی سیرت

حضرت عمر بن خطابؓ کی سیرت اسلامی تاریخ میں ایک مثالی نمونہ پیش کرتی ہے، جس میں عدل و انصاف، تقویٰ، حب رسول، زہد و قناعت، اور تواضع و انکساری جیسے اوصاف شامل ہیں۔ ان کا عدل و انصاف ان کے دور خلافت کا سب سے نمایاں وصف تھا، جہاں انہوں نے ہر شخص کے لیے ایک ہی قانون نافذ کیا، چاہے وہ شاہ ہو یا گدا۔ ایک واقعے میں جب عمرو بن العاصؓ کے بیٹے نے ایک شخص کو بے وجہ مارا تو حضرت عمرؓ نے اس کو سزا دینے کا حکم دیا۔ ان کا تقویٰ اور خشیت الٰہی ان کی زندگی کا بنیادی حصہ تھا، وہ راتوں کو نماز پڑھتے اور ہمیشہ اللہ کی رضا کی تلاش میں رہتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ کی محبت کا بھرپور اظہار کیا اور ہمیشہ سنتوں کی پیروی کی۔ دنیا طلبی سے دور رہتے ہوئے، انہوں نے سادہ غذا کھائی اور اپنے لباس میں بھی سادگی اختیار کی۔ ان کی عظمت کے باوجود بے پناہ تواضع تھی، وہ عوامی مسائل حل کرنے میں ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے۔ حضرت عمرؓ کا حقیقی نصب العین رفاہ عام اور بنی نوع انسان کی بہبود تھا، جیسا کہ انہوں نے مجاہدین کے گھروں پر جا کر ان کی مدد کی اور عوامی مسائل کے حل کے لیے خود کوششیں کیں۔ ان کا یہ طرز عمل اسلامی ریاست کی بنیادوں کو مضبوط کرنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

خود آزمائی

1. حضرت ابو بکر صدیقؓ کی ذاتی زندگی اور کارناموں کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟
2. حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اسلام کی خدمت میں کیا کیا اہم کردار ادا کیا؟
3. حضرت ابو بکر صدیقؓ نے جھوٹے نبیوں، مرتدین اور زکوۃ سے انکار کرنے والوں کے خلاف کیا اقدامات کیے؟
4. حضرت عمر فاروقؓ نے اسلام کی خدمت میں کیا کیا اہم کام کیے؟

یونٹ نمبر3

خلافتِ راشدہ-II

فہرست عنوانات

یونٹ کا تعارف: 75

یونٹ کے مقاصد: 77

1 - حضرت عثمان غنیؓ، سیرت، خلافت اور کارنامے 78

2 - حضرت عثمانؓ کے عہد میں فتنہ وفساد اور اس کے اسباب 78

3 - عہد عثمانی کے کارنامے 79

4 - حضرت علیؓ، سیرت، خلافت اور کارنامے 80

4.1 خلافت اور کارنامے 81

4.2 خلافتِ حضرت حسن 82

4.3 حکومت کے شعبہ جات 82

4.4 عہد خلفائے راشدین کا تعلیمی و تہذیبی نظام 84

4.5 تبلیغ واشاعت دین: 84

4.6 تعلیم: 85

خود آزمائی: 86

یونٹ کا تعارف

اس یونٹ میں حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کی خدماتِ اسلام سے آگاہی حاصل کی جائے گی۔ حضرت عثمان بن عفانؓ کا تعلق قبیلہ قریش کے ایک اہم ترین خاندان بنو امیہ سے تھا۔ خاندان بنو ہاشم اور بنو امیہ قریش کے بہت ممتاز خاندان تھے۔ حضرت عثمانؓ، رسول اللہ ﷺ کی حقیقی پھوپھی حضرت ام حکیم کی دختر حضرت اروی بنت کریز کے فرزند تھے۔ اس لحاظ سے آپ کے بھانجے تھے۔ آپ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی دعوت پر ایمان لائے۔ دین اسلام کی راہ میں بہت سخت مشکلات سے دوچار ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی منجھلی بیٹی حضرت رقیہؓ کی شادی حضرت عثمانؓ سے کر دی۔ پہلے ہجرت حبشہ کی اور بعد ازاں دونوں میاں بیوی نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی، جب حضرت رقیہؓ کی وفات ہوئی تو رسول اکرم ﷺ نے اپنی دوسری صاحبزادی حضرت ام کلثومؓ سے ان کی شادی کرا دی اس لیے آپؓ ذوالنورین کے لقب سے مشہور ہوئے۔ حضرت عثمان بن عفانؓ ممتاز تاجر اور صاحب ثروت تھے۔ آپؓ نے اپنی دولت اسلام کے لیے وقف کر دی۔ حضور اکرم ﷺ نے آپ کے فضائل و مناقب میں فرمایا: **"آپ اہل جنت میں سے ہیں"**۔ بیعت رضوان کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ کو حضرت عثمانؓ کا ہاتھ قرار دیا تھا، حضرت عثمان بن عفانؓ کی رفاہی اور فلاحی خدمات کی وجہ سے حضور ﷺ نے آپ کو دنیا ہی میں جنت کی خوشخبری سنائی تھی، آپ کا شمار عشرہ مبشرہ صحابہ میں ہوتا ہے۔

صحابہ کرامؓ، حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے بعد انھیں سب سے افضل مانتے تھے، اس لیے حضرت عثمان بن عفانؓ خلیفہ سوم ہوئے۔ آپ کے عہد خلافت میں فتوحات اسلامیہ میں توسیع ہوئی، بری اور بحری نظام عسکری منظم ہوا، علوم و فنون کا ارتقاء ہوا، رفاہی اداروں کا قیام عمل میں لایا گیا، قرآن مجید کی تدوین ہوئی، آپ کے عہد خلافت کے آخری سالوں میں سبائی تحریک اور عجمی عناصر کی اسلام دشمنی کی وجہ سے فتنہ فساد برپا ہوا، جس کے نتیجہ میں آپ کی شہادت ہوئی، شہادت عثمانؓ کا نتیجہ ہے کہ امت اسلامیہ کا اتحاد پارہ پارہ ہو گیا۔

اسلام کے چوتھے خلیفہ حضرت علی بن ابی طالبؓ قریش کے خاندان بنو ہاشم کے ایک ممتاز فرد اور رسولِ اکرم ﷺ کے حقیقی چچا زاد بھائی تھے۔ وہ بعد میں آپ کے سب سے چھوٹے داماد بھی ہوئے کہ آپ ﷺ نے حضرت فاطمہؓ کی شادی ان سے کر دی تھی۔ حضرت علیؓ اپنے بچپن ہی میں جب کہ ان کی عمر نو دس سال کی تھی، مسلمان

ہوئے۔ وہ اولین مسلمانوں میں سے تھے۔ وہ آپ کے زیر کفالت بھی رہے۔ مکہ مکرمہ میں انہوں نے قرآن مجید کی کتابت کی خدمت بھی انجام دی۔۔ ہجرتِ نبوی کے بعد وہ آپ ﷺ کے بستر میں محو خواب رہے اور دشمنوں کے ہاتھوں اپنی جان خطرہ میں ڈالی۔ بعد میں تمام غزوات میں شریک رہے اور دین اسلام کی عظیم الشان خدمات سرانجام دیں۔

وہ انتہائی بہادر، فنونِ حرب سے واقف، علم و فضل سے آراستہ اور ذہین و فطین شخص تھے۔ علوم اسلامی میں قرآن و حدیث پر نظر تو تھی ہی مگر قضا و عدالت میں سب سے فائق تھے۔ بایں ہمہ وہ زاہد و قانع، سادہ زندگی کے پیکر اور سخاوت و فیاضی کے علمبردار تھے۔ آپؓ ان صحابہ میں سے تھے جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ہی پورا قرآن حکیم زبانی یاد کر لیا تھا۔ نہ صرف لفظی طور سے اس کے حافظ تھے۔ بلکہ اس کی ایک ایک آیت کے معنی اور شان نزول سے بھی واقف تھے۔ علوم نبوت اور معمولات نبوی ﷺ کے سب سے بڑے عالم تھے، حلیہ اقدسؐ آپ کی نماز و مناجات اور نوافل سے متعلق سب سے زیادہ روایات حضرت علیؓ سے مروی ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ آپ ہر وقت رفاقت نبوی ﷺ میں رہتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے آپؓ کو قضاء کے بعض اصول بھی تعلیم فرمائے۔ آپ نہایت عبادت گذار تھے وہ عبادت میں جس چیز کا التزام کر لیتے تھے اس پر ہمیشہ قائم رہتے تھے۔ انہی اوصاف کی بنا پر حضرت عثمانؓ کی شہادت کے تیسرے دن ان کو مدینہ منورہ کی غالب اکثریت نے اسلام کا خلیفہ چہارم چن لیا۔

آپؓ کی مدت خلافت چار سال اور نو ماہ ہے اس عہد میں آپ کو بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد امت کے اندر تفریق پیدا ہو گئی۔ جس کے نتیجے میں جنگ جمل اور جنگ صفین ہوئیں، جس میں مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد قتل ہوئی۔ واقعہ تحکیم کے بعد خوارج کا ظہور ہوا۔ جس نے مسلمانوں کے اندر خوب خون ریزی کی، حضرت علیؓ بھی ایک خارجی کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ اس یونٹ میں ہم سیدنا علیؓ کے حالات زندگی اور آپ کی دین اسلام کی لیے خدمات کو اجاگر کریں گے، نیز آپ کے عہد خلافت کے اہم واقعات بھی بیان کریں گے۔

یونٹ کے مقاصد

اس یونٹ میں خلیفہ سوم کے عہد کے اہم واقعات کو بیان کیا گیا ہے۔ امید ہے کہ اس یونٹ کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ

1. حضرت عثمان غنیؓ کے حالات زندگی سے آگاہ ہو سکیں۔
2. حضرت عثمانؓ بن عفان کی اسلام کے لیے خدمات کا جائزہ لے سکیں۔
3. حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں فتوحات اسلام کا جائزہ لے سکیں۔
4. سیدنا علی مرتضیٰؓ کے حالات زندگی سے واقف ہو سکیں۔
5. حضرت علیؓ کی بہادری اور دین اسلام کے لیے خدمات سے آگاہ ہو سکیں۔
6. عہد خلافت علیؓ کے اہم واقعات سے آگاہ ہو سکیں۔

1- حضرت عثمان غنیؓ، سیرت، خلافت اور کارنامے

حضرت عثمان بن عفانؓ کا نام عثمان ہے، اور آپ کو ذوالنّورین کا لقب دیا گیا۔ آپ کا نسب پانچویں پشت میں رسول اکرم ﷺ سے ملتا ہے، اور آپ کی والدہ حضرت اروٰی، حضرت ابو بکر صدیقؓ کی بیٹی تھیں۔ آپ نے اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت رقیہؓ سے شادی کی، اور ہجرت حبشہ کے دوران دین کی خاطر اپنے گھر بار چھوڑ دیے۔ آپ نے تمام غزوات میں شرکت کی، مگر غزوہ بدر میں اپنی اہلیہ کی بیماری کی وجہ سے شامل نہ ہو سکے۔

آپ نے خلافت سنبھالنے کے بعد عدل و انصاف پر زور دیا اور عوام کی فلاح و بہبود کے لیے اقدامات کیے۔ آپ کے دور میں کئی اہم فتوحات ہوئیں، جیسے قبرص اور افریقہ کے کچھ علاقے۔ آپ نے بئر رومہ کو خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کیا اور مسجد نبویؐ کی توسیع میں بھی حصہ لیا۔

حضرت عثمانؓ نے 12 سال خلافت کی، جس دوران انہوں نے اسلامی سرحدوں کو وسیع کیا، لیکن ان کے دور میں کئی مشکلات بھی آئیں، جن میں داخلی شورشیں اور عوامی ناراضگی شامل تھیں۔ 18 ذوالحجہ 35 ہجری کو آپ کو مظلومانہ طور پر شہید کیا گیا، اور آپ کی شہادت نے اسلامی تاریخ پر گہرے اثرات مرتب کیے۔

2- حضرت عثمانؓ کے عہد میں فتنہ و فساد اور اس کے اسباب

حضرت عثمانؓ کے ابتدائی چھ سال عہد خلافت میں حالات پر امن رہے، فتوحات کی کثرت رہی۔ مال غنیمت کی فراوانی ہوئی، ملک میں زراعت، تجارت میں ترقی ہوئی۔ عمدہ نظم و نسق کی وجہ سے ہر طرف فارغ البالی عام ہوئی۔ دولت مندی اور تمول کی کثرت نے مسلمانوں میں اس کے وہ لوازم بھی پیدا کر دیے جو ہر قوم میں ایسی حالت میں پیدا ہو جاتے ہیں اور اس قوم کی کمزوری اور انحطاط کے اسباب بن جاتے ہیں۔ رسول اکرام ﷺ نے فرمایا تھا کہ مجھے تمھارے فقر و فاقہ سے کوئی ڈر نہیں بلکہ تمھاری دنیاوی دولت مندی ہی کے خطرات سے ڈرتا ہوں۔ چنانچہ حضرت عثمان کے عہد خلافت میں اس فتنہ کے اسباب مندرجہ ذیل ہیں:

1. عہد عثمانی کے آخری عہد میں صحابہ کرام کی وہ نسل جو تربیت نبوی ﷺ سے براہ راست مستفید ہوئی تھی۔ ختم ہو چکی تھی اور جو موجود تھے وہ بہت ضعیف اور گوشہ نشین ہو گئے تھے۔ اب ان کی اولاد ہی ان کی جگہ لے رہی تھیں۔ جو ظاہر ہے زہد تقویٰ، عدل و انصاف اور حق پسندی میں اپنے بزرگوں سے کمتر تھے۔

2. مشرق و مغرب میں اسلام کی اشاعت ہوئی اسلامی فتوحات کی وجہ سے سینکڑوں قومیں محکوم اور مفتوح ہوئیں، اس محکومی اور غلبہ نے ان کے اندر انتقام کی آگ پیدا کر دی، جس نے خفیہ انداز میں سازشوں کا جال پھیلایا۔ اس میں سب سے زیادہ کردار ایرانی پارسیوں، مجوسیوں اور یہودیوں کا تھا۔

3. حضرت عثمانؓ اموی تھے، اور اپنے عزیز و اقارب کے ساتھ صلہ رحمی کرتے تھے۔ اپنے خاندان کے ساتھ ان کے جذبات خیر خواہانہ تھے، اس لیے ان کو فائدہ پہنچانا چاہتے تھے، ذاتی طور پر ان کی امداد بھی کرتے تھے۔ شریروں نے اس کو منفی پروپیگنڈے کے طور پر پھیلایا کہ حضرت عثمانؓ سرکاری بیت المال سے ان کو یہ مال و دولت دیتے ہیں۔

4. یہودیوں کی یہ کوشش تھی کہ دین اسلام میں تفرقہ ڈالیں۔ ملت اسلامیہ کے اتحاد و اتفاق کو پارہ پارہ کر دیں تاکہ اس کی شان و شوکت اور فتح و انقلابات کا خاتمہ ہو سکے۔

ان وجوہ و اسباب کی بنا پر جب زمین اچھی طرح تیار ہو گئی تو اعداء اسلام ایک جماعت نے (جو شوکت اسلام کے سامنے سرنگوں ہو کر بظاہر حلقہ بگوش اسلام ہو چکی تھی) اپنے عیار سردار عبداللہ بن سبا کی زیر سرکردگی کشت ملت میں اختلاف و افتراق کی تخم پاشی کی۔

حضرت عثمانؓ طبعاً نرم مزاج، بامروت اور رحمدل تھے۔ آپؓ کے ان جذبات سے ایک طرف آپ کے عزیزوں نے تحصیل مناصب میں غیر مناسب فائدہ اٹھایا، دوسری طرف آپ کے مخالفین نے اپنی شورش انگیزیوں میں کوئی مزاحمت نہ دیکھی۔ اس طرح اختلاف و افتراق کے اس بیج کو پھلنے پھولنے کے لیے مناسب فضا میسر آ گئی اور آخر کار شہادت عثمانؓ کی صورت میں وہ شجر زقوم پیدا ہوا جس نے ملت اسلامیہ کے ذوقِ صحیح کو برباد کر دیا۔

3- عہد عثمانی کے کارنامے

حضرت عثمان بن عفانؓ نے اپنی خلافت کے دوران ملکی نظم و نسق کو برقرار رکھتے ہوئے نئے صوبے بنائے اور مرکزی حکومت میں نئے شعبے قائم کیے۔ انہوں نے دیوان عطا میں اصلاحات کیں اور احتساب کا محکمہ مضبوط کیا، جس کے تحت گورنروں اور افسروں کی کارکردگی کا جائزہ لینے کے لیے مرکزی نگران بھیجے گئے۔ ان کے دور میں بیت المال

کی آمدنی میں اضافہ ہوا، جس کی بدولت اہل وظائف کے وظیفوں میں اضافہ کیا گیا اور ضرورت مندوں کو کھانا فراہم کیا گیا۔

حضرت عثمانؓ نے کئی نئی تعمیرات کیں، جیسے سڑکیں، پل، اور مہمان خانے، اور مدینہ کو سیلاب سے محفوظ رکھنے کے لیے بند مہزور تعمیر کیا۔ مسجد نبوی کی توسیع میں بھی آپ کا کردار نمایاں رہا، جب آپ نے زمین خرید کر مسجد کی وسعت میں اضافہ کیا۔ آپ نے بحری فوجی انتظامات کی بنیاد رکھی اور جنگی بحری بیڑہ تیار کرنے کا حکم دیا، جس کے ذریعے رومیوں کو شکست دی گئی۔ آپ کی اہم ترین خدمت قرآن کی نشر واشاعت تھی، جس کے تحت ایک صحیح نسخہ تیار کر کے مختلف علاقوں میں بھیجا گیا۔

حضرت عثمانؓ فطرتاً پاکیزہ صفت، دیانت دار اور راست باز تھے، جنہوں نے اپنی زندگی میں ایثار و قربانی کا اعلیٰ نمونہ پیش کیا۔ آپ کی خلافت کے ابتدائی چھ سال امن وامان کے رہے، مگر بعد میں داخلی شورشوں نے آپ کے دور کو متاثر کیا۔ 656ء میں آپ کو مظلومانہ طور پر شہید کر دیا گیا، جس نے اسلامی تاریخ پر گہرے اثرات مرتب کیے۔

4- حضرت علی مرتضیٰؓ سیرت، خلافت اور کارنامے

آپ کا نام علیؓ ہے، اور آپ کو ابوالحسن اور ابوتراب کی کنیتیں دی گئی ہیں، جبکہ حیدر آپ کا لقب ہے۔ آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے: علی بن ابی طالب بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصّی بن کلاب بن مرّہ بن کعب بن لوئی۔ آپ رسول اللہ ﷺ کے چچازاد بھائی ہیں اور بعثت نبوی سے دس سال پہلے پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام جناب ابوطالب اور والدہ کا نام فاطمہؓ ہے۔ حضرت علیؓ نے رسول اللہ ﷺ کی نبوت کے اعلان کے وقت صرف دس سال کی عمر میں اسلام قبول کیا اور بعد میں ہجرت کی۔ ہجرت کے دوسرے سال آپ کو رسول اللہ ﷺ کی دامادی کا شرف حاصل ہوا جب آپ نے حضرت فاطمہ الزہراؓ سے شادی کی، جس کے بعد آپ نے اپنی زندگی میں ایثار و قربانی کا اعلیٰ نمونہ پیش کیا۔

حضرت علیؓ نے بجز غزوہ تبوک کے تمام غزوات میں شرکت کی اور اپنی شجاعت کے جوہر دکھائے۔ 2 ہجری میں غزوہ بدر کے موقع پر، جب قریش کی صفوں میں سے تین بہادر مبارز نکلے، تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ، حضرت حمزہؓ، اور حضرت عبیدہؓ کو میدان میں بھیجا۔ حضرت علیؓ نے اپنے حریف عتبہ کو قتل کیا اور عبیدہؓ کی مدد کرتے

ہوئے شیبہ کو بھی ہلاک کیا۔ 3 ہجری میں جنگ احد میں، جب یہ افواہ پھیل گئی کہ رسول اللہ ﷺ شہید ہو گئے ہیں، حضرت علیؓ ثابت قدم رہے اور آپ نے رسول اللہ ﷺ کا ہاتھ پکڑ کر انہیں بچایا۔

غزوہ خندق میں بھی آپ نے شجاعت کا مظاہرہ کیا، جبکہ بنو قریظہ کے خلاف آپ کو علم اسلام دیا گیا اور آپ نے ان کی گڑھی پر قبضہ کر لیا۔ 6 ہجری میں آپ نے بنو سعد کی سرکوبی کی، اور 7 ہجری میں خیبر کے یہودیوں کے قلعوں کو فتح کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ 9 ہجری میں، آپ کو مدینہ میں روکنے کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے آپ کی اہمیت کو تسلیم کیا اور فرمایا کہ آپ کا رتبہ موسیٰؑ کے نزدیک ہارونؑ جیسا ہے۔ اس طرح حضرت علیؓ نے ہر غزوے میں اپنی بہادری اور وفاداری کا ثبوت دیا۔

4.1- خلافت اور کارنامے

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی خلافت کا آغاز 21 ذی الحجہ 35 ہجری کو ہوا، اور آپ نے 20 رمضان 40 ہجری تک حکومت کی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اہل مدینہ نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی، جس کے بعد آپ نے ایک مؤثر خطبہ دیا جس میں مسلمانوں کو اتحاد و اتفاق کی تلقین کی۔ آپ کی بیعت ایسے نازک وقت میں ہوئی جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں سے بدلے کا مطالبہ زور پکڑ رہا تھا۔ آپ نے قاتلوں سے قصاص لینے کا عزم ظاہر کیا، لیکن اس معاملے میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔

آپ نے عثمانی عمال کو معزول کر کے نئے گورنر مقرر کیے، جس سے مزید تفریق و تقسیم پیدا ہوئی۔ اسی دوران حضرت عائشہؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ نے قصاصِ عثمان کے معاملے میں بصرہ کا رخ کیا، جس کے نتیجے میں جنگ جمل ہوئی۔ اس جنگ میں حضرت علیؓ نے شجاعت کا مظاہرہ کیا، مگر اس لڑائی نے مسلم امت کو شدید نقصان پہنچایا۔

جنگ جمل کے بعد حضرت علیؓ نے رجب 36 ہجری میں کوفہ پہنچ کر اسے اپنا دارالحکومت بنایا تاکہ مدینہ کی تقدس کو مزید انتشار سے محفوظ رکھا جا سکے، کیونکہ آپ کے حامی زیادہ تر عراق خاص کر کوفہ میں موجود تھے۔ آپ نے کوفہ آنے کے بعد انتظامی امور کی بہتری کے لیے نئے گورنر مقرر کیے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بیعت کرنے کی دعوت دی، جسے انہوں نے قتلِ عثمان کا قصاص لینے کی شرط پر ٹھکرا دیا۔ اس کے بعد جنگ صفین کا آغاز ہوا، جہاں دونوں فوجوں کے درمیان سخت جھڑپیں ہوئیں، مگر کوئی فیصلہ نہ ہوا۔

حضرت علیؓ نے عثمانی عمال کو معزول کر کے نئے گورنر مقرر کیے، جس سے مزید تفریق پیدا ہوئی۔ اسی دوران، خوارج نے بغاوت شروع کی اور حضرت علیؓ کی مخالفت کرنے لگے۔ 17 رمضان 40 ہجری کو عبدالرحمن بن ملجم نے حضرت علیؓ پر حملہ کیا جس کے نتیجے میں آپ شہید ہو گئے۔ آپ کی شہادت نے اسلامی تاریخ میں گہرے اثرات مرتب کیے اور آپ کی وفات کے بعد اسلامی حکومت کا دارالحکومت شام منتقل ہو گیا۔

4.2- خلافتِ حضرت حسن رضی اللہ عنہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد، اہل مدینہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو خلیفہ منتخب کیا۔ آپ نے خلافت سنبھالنے کے بعد ایک فصیح خطبہ دیا جس میں مسلمانوں کو اتحاد کی تلقین کی۔ تاہم، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے عراق پر فوج کشی شروع کر دی، جس کے نتیجے میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو مقابلہ کرنے کا فیصلہ کرنا پڑا، لیکن ان کی فوج نے ان کا ساتھ نہیں دیا۔ اس صورت حال میں، حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے صلح کا راستہ اختیار کیا۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا، جس کے بعد آپ کی زندگی میں امن و سکون کا دور آیا۔ آپ کی یہ حکمت عملی اسلامی ریاست کے اتحاد کو برقرار رکھنے کی کوشش تھی، حالانکہ اس فیصلے سے آپ کے حامیوں میں نارضگی پھیلی۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی یہ قربانی ہمیشہ یاد رکھی جائے گی، کیونکہ انہوں نے مسلمانوں کے درمیان خونریزی سے بچنے کے لیے صلح کا راستہ اختیار کیا۔

4.3- حکومت کے شعبہ جات

مرکزی حکومت کے بعض شعبوں کا قیام عہد نبوی میں ہوا، جبکہ کچھ شعبے خلافت کے ابتدائی دور میں وجود میں آئے۔ محکمہ فوج (دیوان الجند) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں قائم ہوا اور اس کا کام فوجیوں کی بھرتی، محاذوں پر بھیجنا، کمانداروں کا تقرر اور اموالِ غنیمت کی تقسیم تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں بحریہ کا محکمہ بھی قائم ہوا، جس کی ترقی میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اہم کردار ادا کیا۔ خلافت فاروقی میں سرحدی صوبوں میں فوجی مراکز قائم کیے گئے، جیسے کوفہ اور بصرہ۔

محکمہ خط و کتابت (دیوان الرسائل) بھی عہد نبوی میں موجود تھا، جہاں مختلف کاتبوں نے سرکاری فرامین اور خطوط تحریر کیے۔ محکمہ خراج و مالیات (دیوان الخراج) کی بنیاد بھی عہد نبوی میں رکھی گئی، جس نے مالیات کے نظام کو منظم کیا اور اسلامی محاصل جیسے زکوٰۃ، صدقات، اور جزیہ کی وصولیابی کی ذمہ داری سنبھالی۔

محکمہ ڈاک (دیوان البرید) کا ابتدائی خاکہ حضرت عمرؓ کے دور میں تیار ہوا، جس کا مقصد سرکاری خطوط کو صوبوں کے گورنروں تک پہنچانا تھا۔ ان تمام محکموں نے اسلامی ریاست کے انتظامی ڈھانچے کو مستحکم کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔

بیت المال کا نظام اسلامی تاریخ میں اہمیت رکھتا ہے، خاص طور پر خلافتِ فاروقی کے دوران۔ رسول اکرم ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں صدقات اور خراج کی آمدنی فوری طور پر مستحقین میں تقسیم کی جاتی تھی۔ تاہم، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں فتوحات کی وجہ سے اموال میں اضافہ ہوا، جس کے باعث انہوں نے ایک منظم طریقہ کار اپنایا اور بیت المال قائم کیا تاکہ اضافی مال کو محفوظ رکھا جا سکے۔ بیت المال کا افسر "صاحب بیت المال" کہلاتا تھا، جس کا کام آمد و خرچ کا حساب رکھنا اور یہ دیکھنا تھا کہ خلیفہ اصولوں کے مطابق خرچ کر رہا ہے یا نہیں۔ حضرت عبداللہ بن ارقم مخزومی اس عہد میں مدینہ کے بیت المال کے افسر تھے، جن کے ساتھ دیگر صحابہ بھی شامل تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بیت المال کے ذریعے تمام مستحق افراد کو مالی مدد فراہم کرنے کا عزم کیا، جس سے معاشرتی فلاح و بہبود کی بنیاد رکھی گئی۔ ان کا یہ اقدام اسلامی ریاست میں رفاہ عامہ کی ایک بڑی مثال ہے، جہاں ہر شخص کو اس کے حق کے مطابق مالی مدد ملتی تھی۔

نظامِ قضا و عدالت اسلامی ریاست میں اہمیت رکھتا ہے، جہاں خلیفہ اسلام کو قاضی القضاء کے طور پر دیکھا جاتا تھا۔ رسول اکرم ﷺ نے حضرت عمرؓ کو مدینہ کا قاضی مقرر کیا، اور یہ نظام خلافتِ صدیقی، فاروقی، اور عثمانی میں بھی جاری رہا۔ حضرت علیؓ کے دور میں بھی قضا کا نظام مضبوط ہوا، جہاں قاضی شریح کو کوفہ میں برقرار رکھا گیا۔ اسلامی ریاست میں پولیس اور جیل کے محکمے بھی حضرت عمرؓ کے دور میں قائم ہوئے۔ پولیس کا محکمہ "احداث" کہلاتا تھا، جبکہ جیل خانہ مکہ میں پہلی بار بنایا گیا۔ صوبائی انتظامیہ کا نظام عہد نبوی میں تقریباً 26 صوبوں میں تقسیم ہوا۔ خلافتِ فاروقی اور عثمانی کے دوران ان صوبوں کی تعداد میں اضافہ ہوا۔ ہر صوبے کا گورنر یا والی ہوتا تھا، جسے مالیات، عدل، اور

احتساب کے اختیارات حاصل تھے۔ اس طرح، اسلامی ریاست کا نظام عدل و قضا، پولیس، جیل، اور صوبائی انتظامیہ ایک منظم ڈھانچے کی صورت میں سامنے آیا، جو کہ معاشرتی انصاف اور نظم وضبط کی ضمانت فراہم کرتا تھا۔

4.4- عہد خلفائے راشدین کا تعلیمی و تہذیبی نظام

اسلامی ریاست کے قیام کے بعد، رسول اکرم ﷺ نے جزیرہ نما عرب، خاص طور پر مدینہ منورہ میں اسلامی تمدن کو فروغ دینے کی کوششیں کیں، جو خلافت راشدہ کے دور میں بھی جاری رہیں۔ اس دور میں دین کی تبلیغ واشاعت کے لیے باقاعدہ منصوبہ بند کوششیں کی گئیں، جہاں خلفاء کرام نے عالم مبلغین کو مختلف قبائل میں اسلام کی دعوت دینے کے لیے مامور کیا۔ تعلیم کا نظام بھی مضبوط ہوا، اور صحابہ کرام کو دینی تعلیم دینے کے لیے مختلف علاقوں میں بھیجا گیا۔ زبان و لباس کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہوئے عربی زبان کی ترویج اور اسلامی لباس کی تشہیر کی گئی تاکہ معاشرتی شناخت کو مضبوط کیا جاسکے۔ غذا اور طرز رہائش کے حوالے سے بھی اسلامی اصولوں کے مطابق صحت مند غذا اور سادہ طرز زندگی اپنانے پر زور دیا گیا۔ مزید برآں، نئے شہروں جیسے کوفہ، بصرہ، اور فسطاط کی تعمیر نے اسلامی فن تعمیر کو فروغ دیا، جس سے نہ صرف معاشرتی ترقی میں مدد ملی بلکہ اسلامی ثقافت کی بنیاد بھی رکھی گئی۔ اس طرح، خلافت راشدہ کا دور اسلامی تاریخ کا ایک اہم دور تھا جس میں دینِ اسلام کی تبلیغ، تعلیم، اور تمدن کے مختلف پہلوؤں پر توجہ دی گئی، جس سے مسلمانوں کی اجتماعی زندگی میں بہتری آئی۔

4.5- تبلیغ واشاعت دین:

عہدِ نبوی کی طرح، ریاستِ اسلامی کے تمام سیاسی افسروں اور کارکنوں کا اولین فریضہ اسلام کی تبلیغ کرنا تھا۔ فتوحات کے دوران، جیسے عراق، شام، ایران اور مصر میں، جنگ شروع کرنے سے پہلے حریف کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی جاتی تھی، اور اگر وہ قبول نہ کرتے تو انہیں جزیہ ادا کرکے ذمی بننے کی شرط رکھی جاتی تھی۔ اس کے بعد ہی تلوار اٹھائی جاتی تھی۔ اس عمل میں حضرت خالد بن ولیدؓ، حضرت عمر بن خطابؓ، اور دیگر صحابہ کی کوششیں نمایاں ہیں۔ فتح کے بعد اسلامی مقبوضات میں مسلمانوں کا حسن اخلاق اور پاکیزہ کردار بھی اسلام کی اشاعت کا ایک اہم ذریعہ بنا۔ خلفاء کرام نے باقاعدہ منصوبہ بند طریقے سے مبلغین مقرر کیے، جن میں زیادہ تر صحابہ شامل تھے، تاکہ غیر مسلموں میں اسلام کی تعلیمات پھیلائی جاسکیں۔ حضرت عدی بن حاتم طائی اور حضرت مثنیٰ بن حارثہ شیبانی جیسے صحابہ نے بھی

مختلف قبائل کو مسلمان کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ اس طرح، اسلامی ریاست کے قیام کے بعد دین کی تبلیغ واشاعت کا عمل منظم انداز میں جاری رہا، جس نے اسلامی تعلیمات کو وسیع پیمانے پر پھیلانے میں مدد فراہم کی۔

4.6- تعلیم:

خلفاء کرام کو شروع ہی سے یہ احساس تھا کہ نو مسلموں کی تعلیم ان کے دینی رسوخ اور اسلامی پختگی کے لیے ضروری تھی۔ اس لیے انہوں نے اپنے تمام امیروں، فوجی سالاروں، گورنروں اور ماتحت کارکنوں کو ہدایت دی کہ وہ نو مسلموں میں بنیادی دینی تعلیم کا کام انجام دیں۔ حضرت ابو بکرؓ کے عہدِ خلافت میں فتوحات کی تکمیل نہ ہونے کی وجہ سے ان کی توجہ بدوی قبائل پر مرکوز رہی، اور انہوں نے جزیرہ نمائے عرب کے متعدد شہروں میں معلمین مقرر کیے۔ خلافتِ فاروقی میں فتوحات کے بعد تعلیم کا کام زیادہ منظم اور جوش وولولے کے ساتھ کیا گیا۔ مختلف صوبوں میں صحابہ کرام جیسے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، اور عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کو تعلیم وتربیت کے لیے مقرر کیا گیا، جنہوں نے حمص، دمشق اور فلسطین میں تعلیم کا چرچا عام کیا۔

تعلیم عام طور پر مساجد میں دی جاتی تھی، اور بعد میں اس مقصد کے لیے مکاتب قائم کیے گئے۔ ان معلمین کے گھر بھی مکاتب کا کام کرتے تھے، جبکہ مساجد کے ائمہ اور مؤذنین بھی تعلیم وتربیت کا فریضہ انجام دیتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان معلمین کی تنخواہیں مقرر کیں، حالانکہ صحابہ کرام عام طور پر تنخواہ نہیں لیتے تھے۔ اسلامی مراکز جیسے مدینہ، مکہ، یمن، کوفہ، بصرہ، دمشق وغیرہ میں ابتدائی اور اعلیٰ تعلیم دونوں درجات موجود تھے۔ ابتدائی تعلیم میں طلباء قرآن وحدیث اور فقہ کی بنیادی تعلیم حاصل کرتے تھے، جبکہ اعلیٰ تعلیم کے حلقے اسلامی علوم وفنون کی فنی اور اعلیٰ تعلیم دیتے تھے۔

قرآن مجید کی تلاوت وقراءت اور تفسیر وتشریح بھی اہمیت رکھتی تھی۔ مصاحفِ قرآنی کو صوبوں میں بھیجا گیا تاکہ قرآن کی صحیح قراءت ہو سکے۔ تفسیر وتشریح میں مختلف صحابہ نے اہم کردار ادا کیا۔ اسی طرح حدیث کے حلقے بھی قائم کیے گئے جہاں صحابہ نے اپنے حدیث کے مجموعے تیار کیے۔ فقہ کی تعلیم قرآن وحدیث پر منحصر تھی، اور خلفاء نے اپنے افسروں کو فقہی احکام لکھ کر بھیجے تاکہ عوام میں ان کی اشاعت ہو سکے۔

فن تعمیر میں بھی اسلامی تہذیب وتمدن کی ترقی ہوئی۔ عام لوگوں کے مکانات کچے ہوتے تھے جبکہ مالدار طبقے کے لوگ پختہ اور وسیع مکانات تعمیر کرتے تھے۔ اسلامی فتوحات کے بعد فن تعمیر میں غیر معمولی ارتقاء ہوا، جہاں رومی

اور ایرانی فن تعمیر کے اثرات نمایاں ہوئے۔ نئے شہروں جیسے کوفہ، بصرہ، فسطاط وغیرہ کی تعمیر نے شہر کاری کا ایک اہم دور شروع کیا، جس سے اسلامی تہذیب و تمدن میں وسعت پیدا ہوئی

خود آزمائی:

1. حضرت عثمان غنیؓ کی پیدائش، خاندان، اسلام قبول کرنے کا زمانہ اور دیگر اہم واقعات کیا ہیں؟
2. حضرت عثمان غنیؓ کی شخصیت کے اہم پہلو کیا تھے؟
3. حضرت عثمان بن عفانؓ نے اسلام کی خدمت میں کیا کیا اہم کردار ادا کیا؟
4. حضرت عثمان بن عفانؓ کے عہد خلافت میں کون کون سی اہم فتوحات حاصل ہوئیں؟
5. سیدنا علی مرتضیٰؓ کی شخصیت کے اہم پہلو کیا تھے؟
6. حضرت علیؓ نے اسلام کی خدمت میں کیا کیا اہم کردار ادا کیا؟
7. حضرت علیؓ کے عہد خلافت میں مسلمانوں کو کن چیلنجز کا سامنا رہا؟
8. حضرت علیؓ نے اپنے عہد خلافت میں کیا کیا اہم فیصلے کیے؟

یونٹ نمبر4

عہد بنو اُمیہ

فہرست عنوانات

یونٹ کا تعارف: 90

یونٹ کے مقاصد: 91

1 خاندان بنو امیہ کا تعارف 92

1.1 اموی خلافت کا قیام: 92

1.2 خلفائے بنو امیہ: 93

2 دورِ عروج 94

2.1 حضرت امیر معاویہؓ (41ھ تا 60ھ بمطابق 661ء تا 680ء) 94

2.1.1 بغاوتیں اور اہم واقعات: 94

2.1.2 فتوحات: 94

2.1.3 نظام خلافت اور کارنامے 95

2.2 یزید اوّل بن معاویہ بن ابی سفیان (60ھ تا 64ھ بمطابق 680ء تا 683ء) 96

2.3 معاویہ بن یزید معاویہ بن ابی سفیان (64ھ بمطابق 684ء) 96

2.4 مروان بن حکم (64ھ تا 65ھ بمطابق 684ء تا 685ء) 97

2.5 عبد اللہ بن زبیر (64ھ تا 73ھ بمطابق 485ء تا 695ء) 97

2.6 عبد الملک بن مروان (65ھ تا 86ھ بمطابق 685ء تا 705ء): 98

2.7 ولید بن عبد الملک (86ھ تا 96ھ بمطابق 705ء تا 715ء) 99

2.8 سلیمان بن عبد الملک (97ھ تا 99ھ بمطابق 717ء تا 719ء) 99

2.9 عمر بن عبد العزیز (99ھ تا 101ھ بمطابق 719ء تا 720ء): 100

3 دورِ زوال 100

3.1 یزید بن عبد الملک (101ھ تا 105ھ بمطابق 720ء تا 724ء): 100

3.2 ہشام بن عبد الملک (105ھ تا 125ھ بمطابق 724ء تا 743ء): 101
3.3 ولید ثانی بن یزید (125ھ تا 126ھ، بمطابق 743ء تا 744ء): 101
3.4 یزید ثالث بن ولید (126ھ بمطابق 744ء): 102
3.5 ابراہیم بن ولید (126ھ تا 127ھ بمطابق 744ء تا 745ء): 102
3.6 مروان ثانی بن محمد بن مروان (127ھ تا 132ھ بمطابق 745ء تا 750ء): 102
4 بنو امیہ کے زوال کے اسباب 103
5 شخصی حکومت: 103
5.1 عباسی تحریک: 104
6 اموی عہد کی علمی و ادبی سرگرمیاں 104
6.1 علوم: 104
6.1.1 قرآن مجید: 105
6.1.2 علمِ تفسیر: 105
6.1.3 حدیثِ علم: 106
6.1.4 فقہ: 106
6.1.5 علمِ تاریخ: 107
7 عباسی تحریک: 108
خود آزمائی: 108

یونٹ کا تعارف

خلافت راشدہ کے بعد ملوکیت کی بنیاد پڑ گئی، اس کے بانی حضرت امیر معاویہؓ تھے۔ آپ کا تعلق قریش کی ایک شاخ بنو امیہ سے تھا، اس یونٹ میں آپ خاندان بنو امیّہ کے تعارف، خلافت کے قیام کے لیے ان کی جدوجہد، اموی خلافت کے قیام، خلفاء کے حالات زندگی اور ان کے کارناموں کا مطالعہ کریں گے۔ علاوہ ازیں آپ ان اسباب و عوامل کا مطالعہ بھی کریں گے جن کی بناء پر اموی حکومت شکست وریخت کا شکار ہوئی اور بالآخر اختتام پذیر ہوئی۔

اموی دور حکومت کے متعلق عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ علم و فن سے خالی تھا، اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ مسلمانوں کی اصلی علمی تاریخ عباسی عہد سے شروع ہوتی ہے، اس زمانہ میں علوم کی تدوین ہوئی اور مسلمانوں نے دوسری قوموں کے علوم کی جانب توجہ کی لیکن علمی ترقی کا آغاز بنو امیہ کے عہد میں ہو چکا تھا اور اس میں مختلف قسم کے علوم کی ترقی و ترویج کے لیے کوششیں کی گئیں جن میں دینی علوم کے علاوہ سائنسی علوم، ادب اور شاعری وغیرہ شامل ہیں۔ اس عہد میں معاشی لحاظ سے عوام خوشحال تھے اور دولت کی فراوانی نے عوام و خواص کو شاہانہ زندگی بسر کرنے کا خوگر بنا دیا تھا، جاگیر دارانہ نظام کے باعث معاشرہ طبقات میں بٹا ہوا تھا جو ایک دوسرے سے مختلف طرز زندگی رکھتے تھے۔ اس دور میں کئی سیاسی تحریکوں نے جنم لیا۔ حضرت امام حسینؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، خوارج اور عباسی تحریکیں اس دور کی اہم سیاسی تحریکیں ہیں جنہوں نے سیاست پر دور رس اثرات مرتب کئے۔

یونٹ کے مقاصد

امید ہے کہ اس یونٹ کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ

1. بنو امیہ کا تعارف اور اموی خلافت کے قیام کے بارے میں جان سکیں گے۔
2. اموی خلفاء اور ان کے دور کا مطالعہ کر سکیں گے۔
3. اموی دور کی فتوحات کا مطالعہ کر سکیں گے۔
4. اموی دور کی علمی و ادبی سرگرمیاں جان سکیں گے۔
5. اموی حکومت کے زوال کے اسباب کو جان سکیں گے۔
6. اموی دور میں مختلف تحریکوں کے بارے میں معلومات حاصل کر سکیں گے۔

1- خاندان بنو امیہ کا تعارف

قبیلہ قریش کی چھوٹی بڑی دس شاخیں تھیں:

1. بنی ہاشم 2. بنی امیہ 3. بنی نوفل 4. بنی عبد دار 5. بنی اسد
6. بنی تیم 7. بنی مخزوم 8. بنی عدی 9. بنی جمع 10. بنی سہم

اگرچہ یہ سب شاخیں نسبی اعزاز میں قریب قریب تھیں اور ان سب کے پاس قریش کے اجتماعی نظام کا کوئی نہ کوئی عہدہ تھا مگر بنی ہاشم اور بنی امیہ دنیاوی وجاہت اور شان و شوکت میں ان سب میں ممتاز تھے۔ خاندان بنی ہاشم خانہ کعبہ کے متولی ہونے کی حیثیت سے ممتاز تھا جبکہ خاندان بنی امیہ کو افرادی اکثریت' کثرت مال اور سپہ سالاری کی وجہ سے عرب میں امتیاز حاصل تھا۔

خاندان بنی امیہ کے مورث اعلیٰ کا نام امیہ بن عبد شمس تھا انہی کے نام کی نسبت سے یہ خاندان بنی امیہ کہلایا۔ ہجرت مدینہ کے بعد قریش اور مسلمانوں کے مابین جو جنگیں ہوئیں ان میں سپہ سالار اسی خاندان میں سے ہوئے۔ ان دونوں خاندانوں میں ابتداء ہی سے رقابت و مسابقت پائی جاتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جب نبی اکرمؐ کو نبوت ملی تو آپ کے خاندانِ بنی ہاشم سے ہونے کی بنا پر خاندانِ بنی امیہ نے سب سے زیادہ مخالفت کی۔ ان کی یہ مخالفت فتح مکہ تک بڑے زور شور سے جاری رہی لیکن جب 8 ہجری میں فتح مکہ کے بعد ان کا زور ٹوٹا تو اس وقت جہاں قریش کے خاندانوں نے اسلام قبول کیا وہاں خاندانِ بنو امیہ نے بھی اسلام کی اطاعت میں سر تسلیم خم کر دیا۔ فتح مکہ کے بعد حضورؐ نے بنو امیہ کی تالیفِ قلب فرمائی اور جلد ہی آپ کے زیرِ سایہ عربوں کی تمام باہمی رقابتیں اور تعصبات مٹ گئے اور ان کی جگہ اسلامی اخوت، محبت اور بھائی چارے نے لے لی۔

اموی خلافت کا قیام:

دورِ نبوی ﷺ اور خلافتِ راشدہ میں خاندانِ بنو امیہ کے افراد کو مختلف عہدے ملے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، جو بنو امیہ سے تھے، نبی اکرم ﷺ کے داماد تھے۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا جو کہ ابو سفیان کی بیٹی تھیں اور ابو سفیان عہد نبوی ﷺ میں نجران کے عامل تھے۔ فتح مکہ کے بعد، عتاب بن اسید کو مکہ کا عامل مقرر کیا گیا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یزید بن ابو سفیان کو شام کی فوج کا افسر بنایا۔ عہد فاروقی میں یزید کو دمشق کا عامل بنایا گیا، اور ان کے

انتقال کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ عہدہ دیا گیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ شام کے والی بنے، مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں انہیں معزول کیا گیا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے گورنری چھوڑنے سے انکار کیا اور قصاص عثمان رضی اللہ عنہ کا مطالبہ کیا، جس کی وجہ سے شامی سرداروں نے ان کا ساتھ دیا۔ جنگ صفین میں دونوں کی فوجوں کے درمیان لڑائی ہوئی، جہاں شامی فوج نے قرآن کو حکم بنایا۔ حَکَمْ مقرر ہونے پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فیصلے کو تسلیم نہیں کیا اور جنگ جاری رکھی، مگر ان کی فوج نے ساتھ نہیں دیا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ شام اور مصر پر کنٹرول حاصل کر چکے تھے۔ بعد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے صلح کی جس کے تحت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شام اور مصر پر حکومت تسلیم کر لی گئی۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے والد کی شہادت کے بعد امن برقرار رکھنے کے لیے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں خلافت سے دستبرداری اختیار کی، جس کے نتیجے میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بلا شرکت غیرے خلیفہ تسلیم ہوئے۔

خلفائے بنو امیہ:

خلفائے بنو امیہ کا زمانہ 41 ہجری سے لے کر 132 ہجری تک ہے۔ اس طرح انہوں نے کل 92 سال حکومت کی اور اس عرصے میں کل چودہ خلفاء منصبِ خلافت پر فائز ہوئے۔ اس عہد کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

دورِ عروج:

یہ دور 41 ہجری سے لے کر 101 ہجری تک ہے۔ یہ دور ستر برس پر محیط ہے اور اس عرصے میں کل آٹھ خلفاء گزرے ہیں۔

دورِ زوال:

یہ دور 102 ہجری سے لے کر 132 ہجری تک ہے اور اس عرصے میں کل چھ خلفاء ہوئے ہیں۔

2- دورِ عروج

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ (41ھ تا60ھ بمطابق 661ء تا680ء)

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اموی خلافت کے پہلے خلیفہ بنے۔ آپ ابو سفیان بن حرب کے بیٹے تھے، ہجرت سے سترہ سال پہلے پیدا ہوئے۔ آپ کا شجرۂ نسب پانچویں پشت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جاملتا ہے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فتح مکہ کے وقت اسلام قبول کیا اور وفات نبوی تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ آپ جنگِ حنین اور محاصرۂ طائف میں شریک تھے۔ آپ کاتبِ وحی مقرر ہوئے، کتابتِ وحی کے علاوہ باہر سے آئے ہوئے وفود کی مدارت اور ان کے قیام و طعام کا اہتمام بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے آپ کے سپرد تھا۔

امام حسن صلی اللہ علیہ وسلم کی دست برداری کے بعد 41ھ میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سارے عالم اسلام کے خلیفہ ہوگئے، انہوں نے اپنے زمانے میں تمام اندرونی و بیرونی مخالفتوں کا قلع قمع کیا اور اسلامی حکومت کے رقبے کو بڑھا کر اسے مختلف حیثیتوں سے ترقی دی۔

بغاوتیں اور اہم واقعات:

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے تخت نشین ہوتے ہی خوارج نے کوفہ اور بصرہ میں بغاوت کر دی۔ خوارج کا ظہور جنگِ صفین میں ہوا تھا جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابو موسیٰ اشعری اور عمرو بن العاص کو حَکَم مان لیا تھا۔ خوارج یہ کہہ کر علیحدہ ہو گئے تھے کہ حَکَم صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جبکہ کسی اور کا حَکَم ماننا کفر ہے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کوفہ میں مغیرہ بن شعبہ اور بصرہ میں زیاد بن ابیہ کو ان کو سرکوبی پر مامور کیا جنہوں نے سخت مقابلے کے بعد خوارج کی طاقت توڑ دی۔

فتوحات:

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بڑے تجربہ کار سپہ سالار تھے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں انہوں نے بحری بیڑہ تیار کر کے رومیوں کو کئی معرکوں میں شکست دی اور اپنے عہد میں کئی نئے مقامات اور ممالک فتح کئے۔ آپ کے زمانے میں ہندوستان پر دو اطراف سے فوج کشی ہوئی، ایک فوج کابل کو فتح کرتی ہوئی درۂ خیبر کے راستے سرزمینِ ہند میں داخل ہوئی جبکہ دوسری فوج مکران کے راستے سندھ پر حملہ آور ہوئی اور ہندوستان میں کئی مقامات فتح ہوئے۔

ترکستان کے کئی علاقے اسلامی سلطنت کا حصہ بنے جن میں بخارا، سمرقند اور ترمذ کے علاقے خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ شمالی افریقہ میں اسلامی فوجوں نے طرابلس، تیونس، الجزائر، لواتہ اور زناطہ کے علاقوں کو فتح کیا۔ سوڈان کا ایک بڑا حصہ بھی آپ کے دور میں فتح کر لیا گیا۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں مسلمان افواج نے رومی فوجوں کو کئی معرکوں میں شکست دی۔ روڈوس کا مشہور جزیرہ بھی ان سے چھین لیا گیا۔ آپ کے دور میں پہلی مرتبہ اسلامی فوجوں نے مشرقی رومی سلطنت کے پایۂ تخت، قسطنطنیہ کو فتح کرنے کی کوشش کی۔ اسلامی بحری بیڑہ بحیرۂ روم سے گزر کر آبنائے فاسفورس میں داخل ہو گیا۔ مسلمان سپاہیوں نے قسطنطنیہ کا محاصرہ کر لیا۔ کافی مدت تک مسلمان مجاہدین نے یہ محاصرہ جاری رکھا مگر موسم کی شدت اور ناموافق حالات کے باعث اسلامی لشکر کو محاصرہ اٹھا کر لوٹنا پڑا۔

نظام خلافت اور کارنامے

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے خلافت کے نظام میں بنیادی تبدیلیاں کیں، جس کے نتیجے میں ملوکیت کا آغاز ہوا۔ انہوں نے اپنے بیٹے یزید کو خلیفہ نامزد کیا، جبکہ خلفائے راشدین نے عوامی رائے سے انتخاب کیا۔ مجلس شوریٰ کو ختم کر کے، انہوں نے مرکزی حکومت کو طاقتور بنایا، جس میں تمام اختیارات خلیفہ کے پاس تھے۔ فوجی نظام میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بری اور بحری افواج کی تنظیم نو کی اور فوجیوں کی تنخواہیں دگنی کر دیں، جبکہ فوج کو دو حصوں میں تقسیم کیا: **شائیہ** (سردیوں کی فوج) اور **صائفہ** (گرمیوں کی فوج)۔ بحری بیڑے کو بھی بڑھایا، جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں 500 جہازوں سے بڑھ کر 1700 جہازوں تک پہنچ گیا۔ دفاع کو مضبوط کرنے کے لیے کئی قلعے تعمیر کیے گئے، خاص طور پر شام میں بازنطینی خطرات کے پیش نظر۔ داخلی امن کے قیام کے لیے پولیس کے محکمے کو ترقی دی گئی، جس کا کام جرائم کی روک تھام اور حکومتی احکام کا نفاذ تھا۔ آپ نے پیغام رسانی کے لیے ایک باقاعدہ محکمہ قائم کیا، جس سے ڈاک کی ترسیل تیز ہوئی۔ سرکاری فرامین کے لیے ایک محکمہ قائم کیا گیا جو فرامین کی نقل محفوظ کرتا تھا اور ان پر سرکاری مہر ثبت کرتا تھا۔ آپ کے دور میں زراعت کی ترقی کے لیے نہریں کھودی گئیں اور پرانے شہر آباد کیے گئے، جبکہ بہت سی مساجد تعمیر ہوئیں اور اسلام کی اشاعت پر توجہ دی گئی۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بیس برس تک خلافت سنبھالی اور 60 ہجری میں وفات پائی۔

یزید اوّل بن معاویہ بن ابی سفیان (60ھ تا64ھ بمطابق680ء تا683ء)

یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ، جو 60 ہجری میں خلیفہ بنا، کی پرورش شاہانہ ماحول میں ہوئی، جس کی وجہ سے وہ عیش پسندی کی طرف مائل ہو گیا۔ اس کے مختصر چار سالہ عہد میں کوئی تعمیری کام نہیں ہوا بلکہ اس نے تاریخ پر بدنما داغ چھوڑے، جن میں سانحہ کربلا، واقعہ حرّہ اور خانہ کعبہ پر سنگ باری شامل ہیں۔ یزید نے اقتدار سنبھالتے ہی امام حسین رضی اللہ عنہ اور دیگر اہم شخصیات سے بیعت لینے کی کوشش کی، جس کے نتیجے میں امام حسینؓ نے کوفہ والوں کے دعوت ناموں کے جواب میں وہاں جانے کا فیصلہ کیا۔ تاہم، مسلم بن عقیل کی شہادت کی خبر نے انہیں کربلا جانے پر مجبور کیا، جہاں یزیدی فوجوں نے انہیں گھیر لیا اور 10 محرم 61 ہجری کو امام حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔ اس کے بعد، یزید نے مدینہ میں واقعہ حرّہ کے دوران اہل مدینہ کو سختی سے کچل دیا، جس کے نتیجے میں شہر میں قتل و غارت ہوئی۔ پھر یزیدی فوج نے خانہ کعبہ پر حملہ کیا اور اس پر سنگ باری کی، جس سے اسے نقصان پہنچا۔ یزید کا دور حکومت داخلی شورشوں اور سیاہ کارناموں سے بھرا ہوا تھا، اور اس کی وفات 64 ہجری میں ہوئی۔

معاویہ بن یزید معاویہ بن ابی سفیان (64ھ بمطابق684ء)

یزید بن معاویہ رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد، اس کے بیٹے معاویہ رحمۃ اللہ علیہ ثانی کو 64 ہجری میں خلیفہ نامزد کیا گیا۔ وہ ایک نیک فطرت اور دین دار شخص تھے، لیکن امام حسینؓ کی شہادت کے بعد انہیں دنیاوی جاہ و جلال سے سخت نفرت ہو گئی۔ انہوں نے چند ماہ خلافت سنبھالی اور پھر عوام کے سامنے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ان میں حکومت کا بار اٹھانے کی طاقت نہیں ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ وہ چاہتے تھے کہ کسی کو اپنا جانشین بنا دیں یا شوریٰ کے ذریعے انتخاب کریں، مگر ایسا کوئی شخص نظر نہیں آیا۔ انہوں نے منصب سے دستبردار ہونے کا فیصلہ کیا اور لوگوں کو اپنا خلیفہ منتخب کرنے کی آزادی دی۔ ان کی دستبرداری کے بعد سیاسی خلاء پیدا ہوا، جس کے نتیجے میں خلافت کے کئی دعویدار سامنے آئے، اور آخرکار خلافتِ اسلامیہ مروان بن حکم اور عبد اللہ بن زبیر کی دو متوازی خلافتوں میں تقسیم ہو گئی۔ کچھ عرصے بعد معاویہ رحمۃ اللہ علیہ ثانی کا انتقال ہو گیا۔

مروان بن حکم (64ھ تا65ھ بمطابق 684ء تا685ء):

مروان بن حکم نے فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا حقیقی چچازاد بھائی تھا۔ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ان کا سیکرٹری رہا اور امیر معاویہ کے عہد میں مدینے کا گورنر مقرر ہوا۔ جب معاویہ ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے خلافت سے دستبرداری اختیار کی، تو مملکت کے بیشتر حصوں میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی گئی، جس کے نتیجے میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے تمام امویوں کو مدینہ چھوڑنے کا حکم دیا۔ مروان، جو اس وقت مدینہ میں تھا، اپنے بیٹے عبدالملک کے ساتھ شام چلا گیا۔ شام پہنچنے پر مروان نے دیکھا کہ اموی خوف و پریشانی کا شکار ہیں، لیکن اس کی تجربہ کاری کی بنا پر اس نے ان کی حمایت حاصل کی اور خلیفہ منتخب ہوا۔ مروان نے تقریباً ایک سال حکومت کی، جس دوران اس نے ابن زبیر کے حامیوں کو شام اور مصر سے نکال کر اپنی حکومت کو مستحکم کیا۔ اس دوران وہ اپنے اقتدار کو مضبوط کرنے کے علاوہ کوئی قابل ذکر کارنامہ انجام نہیں دے سکا۔

عبداللہ بن زبیر (64ھ تا73ھ بمطابق 485ء تا695ء)

عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے تھے ان کی والدہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بڑی صاحبزادی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کی بہن تھیں۔ آپ خلفائے راشدین کے عہد میں کئی ایک مہمات میں شریک ہوئے۔ جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی میں یزید کو خلیفہ نامزد کیا تو انہوں نے اس کی شدید مخالفت کی۔ شہادتِ امام حسین رضی اللہ عنہ کے بعد اہل مکہ اور اہل حجاز نے ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی تھی، اس کے ساتھ ہی عراق و مصر کے حکمرانوں اور عمائدینِ سلطنت نے بھی اپنی ہمدردیاں انہیں سے وابستہ کر دیں۔ اس طرح آپ کی خلافت کی حدود حجاز کے علاوہ عراق اور مصر تک وسیع ہو گئیں۔ البتہ شام میں مروان بن حکم کا برسر اقتدار آنا ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے اقتدار کے لئے خطرے کا باعث بن گیا۔ چنانچہ مرج راہط کے مقام پر مروان اور ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے حامی قبیلۂ قیس کے درمیان زبردست جنگ ہوئی جس میں قبیلہ قیس کو شکست ہوئی اور پورا شام مروان کے قبضہ میں آ گیا۔ اس کے بعد شامی لشکر مصر پر حملہ آور ہوا جس کے لئے مصریوں میں مقابلہ کی تاب نہ تھی، اس لئے انہوں نے لڑے بغیر مروان کی بیعت کو قبول کر لیا۔

مروان کے انتقال کے بعد 65ھ میں اس کا بیٹا عبد الملک برسر اقتدار آیا تھا۔ مروان قطعاً برداشت نہیں کر سکتا تھا کہ عراق ابنِ زبیر کی عملداری میں رہے اس لئے اس نے ایک زبردست لشکر کے ساتھ عراق پر حملہ کر دیا۔ ابنِ زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہ کو مقابلے کے لئے بھیجا مگر کوفیوں نے بے وفائی کی۔ چنانچہ مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہ کو شکست ہوئی اور وہ مارے گئے۔ مصعب رضی اللہ عنہ کی شکست اور عراق چھن جانے سے عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی فوجی طاقت کو بڑا دھچکا لگا۔ ان حالات میں عبد الملک نے ابنِ زبیر رضی اللہ عنہ کی طاقت کو ختم کرنے کی ٹھانی اور حجاج بن یوسف کو فوج دے کر روانہ کیا۔ حجاج نے 73ھ میں مکہ کا محاصرہ کر کے شہر پر سنگ باری شروع کر دی جس سے حدود حرم کو بھی کافی نقصان پہنچا۔ یہ محاصرہ سات ماہ تک جاری رہا۔ جس کے نتیجے میں خورد ونوش کے تمام ذخیرے ختم ہو گئے اور محصورین نے ابنِ زبیر کا ساتھ چھوڑنا شروع کر دیا۔ بالاخر تنگ آ کر ابنِ زبیر رضی اللہ عنہ تن تنہا دشمنوں کی صفوں میں گھس گئے اور لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔

یوں ابنِ زبیر کی شہادت کے ساتھ ہی عبد الملک پوری سلطنتِ اسلامیہ کا فرمانروا تسلیم کر لیا گیا۔

عبد الملک بن مروان (65ھ تا 86ھ بمطابق 685ء تا 705ء):

مروان بن حکم کی وفات کے بعد 65 ہجری میں عبد الملک 39 سال کی عمر میں خلیفہ بنا، اس وقت بنو امیہ کی حکومت مشکلات کا شکار تھی اور ہر طرف بغاوتیں جاری تھیں، خاص طور پر حجاز اور عراق میں عبد اللہ بن زبیر کی بیعت کی وجہ سے عبد الملک نے اپنی تدبر اور دور اندیشی سے ان مشکلات پر قابو پایا، توابین کی بغاوت کو حجاج بن یوسف کے ذریعے ختم کیا، پھر مختار ثقفی کے اثر ورسوخ کو بھی ختم کیا۔ اس کے بعد عبد الملک نے خوارج کی شورشوں کا مقابلہ کرنے کے لیے حجاج کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا، جس نے شبیب کو شکست دی۔ بغاوتوں کے خاتمے کے بعد عبد الملک نے اصلاحات کا آغاز کیا، جن میں عربی زبان کو دفتری زبان قرار دینا، عربی رسم الخط کی اصلاح، اور اسلامی سکوں کا اجراء شامل تھا۔ اس نے عوامی بہبود کے لیے سڑکیں بنوائیں، بند تعمیر کروائے، اور خانہ کعبہ کی عمارت کو از سر نو تعمیر کروایا۔ عبد الملک نے 21 سال تک خلافت سنبھالی اور 705ء میں وفات پائی، اس نے اپنی زندگی میں اپنے بیٹوں ولید اور سلیمان کو جانشین نامزد کیا۔

ولید بن عبد الملک (86ھ تا96ھ بمطابق 705ء تا715ء)

عبد الملک بن مروان کی وفات کے بعد، ان کے بیٹے ولید بن عبد الملک نے 705ء میں خلافت سنبھالی، جس کے دوران انہیں تمام مخالف قوتوں اور اندرونی سازشوں کا قلع قمع کرنے کا موقع ملا، جس کی بدولت وہ بیرونی فتوحات اور تعمیری کاموں پر توجہ مرکوز کر سکے۔ قتیبہ بن مسلم، موسیٰ بن نصیر، اور محمد بن قاسم جیسے باصلاحیت سپہ سالاروں کی مدد سے اسلامی حکومت کی حدود چین سے یورپ تک وسیع ہوئیں، جس کی وجہ سے ولید کے عہد کو فتوحاتِ اسلامی کا درخشاں دور کہا جاتا ہے۔ ولید کی حکومت میں قتیبہ نے ترکستان کے قبائل کو سرکوب کر کے بخارا، سمرقند اور دیگر علاقوں کو فتح کیا۔ سندھ میں مسلمانوں کا قبضہ نہ ہونے کے باوجود، محمد بن قاسم نے راجہ داہر کے خلاف مہم چلائی اور دیبل سمیت کئی شہر فتح کیے۔ اسی طرح، طارق بن زیاد کی قیادت میں مسلمانوں نے سپین میں داخل ہو کر راڈرک کی حکومت کو ختم کیا اور غرناطہ، قرطبہ، اور طلیطلہ سمیت کئی ریاستوں پر قبضہ کر لیا۔ رومیوں کے خلاف بھی کئی فتوحات حاصل کی گئیں۔ ولید نے ملکی نظم و نسق کو بہتر بنانے کے ساتھ ساتھ سڑکوں، شفاخانوں، اور یتیموں کی کفالت کے لیے اقدامات کیے، اور مسجد نبویؐ و جامع مسجد دمشق جیسے عظیم تعمیری منصوبے مکمل کیے۔ ولید کا عہد اسلامی تاریخ کا سنہری دور مانا جاتا ہے، اور اس نے 715ء میں وفات پائی۔

سلیمان بن عبد الملک (97ھ تا99ھ بمطابق 717ء تا719ء)

ولید بن عبد الملک کے انتقال کے بعد، سلیمان بن عبد الملک 715ء میں خلافت کے عہدے پر فائز ہوئے۔ وہ ایک شریف النفس انسان تھے اور حضرت عمر بن عبد العزیز جیسے نیک مشیر کی صحبت میں رہنے کی وجہ سے ان کی شخصیت میں بہتری آئی۔ سلیمان نے خلیفہ بنتے ہی ظالم عمال حکومت کو معزول کیا اور مظلوموں کو رہا کیا، لیکن ان کا انتقامی جذبہ بھی نمایاں تھا۔ انہوں نے محمد بن قاسم جیسے عظیم فاتح کو قتل کروا دیا اور موسیٰ بن نصیر کو ذلت آمیز زندگی گزارنے پر مجبور کیا۔ سلیمان کا تین سالہ عہد زیادہ تر انتقام لینے اور چند فتوحات میں گزرا، جن میں طبرستان، قہستان، اور جرجان شامل ہیں، لیکن وہ قسطنطنیہ کو فتح کرنے میں ناکام رہے۔ سلیمان نے 45 سال کی عمر میں وفات پائی اور اپنی زندگی میں عمر بن عبد العزیز اور یزید بن عبد الملک کو جانشین مقرر کیا۔

عمر بن عبد العزیز (99ھ تا 101ھ بمطابق 719ء تا 720ء):

سلیمان بن عبد الملک کی وفات کے بعد، حضرت عمر بن عبد العزیز 99 ہجری میں خلیفہ بنے، جو مروان بن حکم کے پوتے اور حضرت عمر فاروقؓ کے بیٹے کے نواسے تھے، اس لحاظ سے آپ کی رگوں میں فاروقی خون شامل تھا۔ آپ نے شاہانہ ماحول میں پرورش پائی، لیکن خلافت سنبھالنے کے بعد تمام شاہی آداب ترک کر دیے اور سادہ زندگی اختیار کی۔ آپ کا دور خلافت اصلاحات کے حوالے سے نمایاں رہا، جس میں غصب شدہ جاگیروں کی واپسی، باغ فدک کی واپسی، اور بیت المال کی آمدنی کا صحیح استعمال شامل ہیں۔ آپ نے غیر اسلامی ٹیکسوں کو منسوخ کیا اور اسلامی تعلیمات کی اشاعت پر زور دیا۔ آپ نے ظالم والیوں کو معزول کیا اور عوامی بہبود کے لیے سرائیں اور لنگر خانے بنوائے۔ ذمیوں کے ساتھ حسن سلوک کیا گیا اور ان کے حقوق کا تحفظ کیا گیا۔ آپ کی اصلاحات نے دورِ خلافت کی یاد تازہ کر دی، جس کی وجہ سے آپ کو پانچواں خلیفہ راشد بھی کہا جاتا ہے۔ آپ کا دور خلافت 101 ہجری میں زہر کے اثرات سے وفات تک محدود رہا۔

3- دورِ زوال

یزید بن عبد الملک (101ھ تا 105ھ بمطابق 720ء تا 724ء):

یزید بن عبد الملک حضرت عمر بن عبد العزیز کے بعد 101ھ میں تخت نشین ہوا۔ وہ چالیس دن سے زیادہ اپنے قابل فخر پیش رو کے طرز عمل کو اختیار نہ کر سکا اور اس نے حضرت عمر بن عبد العزیز کی تمام اصلاحات منسوخ کر کے اپنے پیشرو حکمرانوں کے نظام کو جاری کر دیا۔

یزید کی عیاشی اور سلطنت سے ناواقفیت اور تساہل کی بدولت قبائلی تعصبات نے سر اٹھانا شروع کر دیا۔ چنانچہ حمیری اور مضری قبائل جو آپس میں ایک دوسرے کے دشمن تھے ان کا تعصب عود کر آیا۔ حمیری قبیلہ کا ایک شخص یزید بن مہلب، جو حضرت عمر بن عبد العزیز کے دور میں نظر بند تھا، جیل سے فرار ہو گیا اور عراق میں بغاوت کر دی۔ یزید ثانی نے اپنے بھائی مسلمہ کو اس کی سرکوبی کے لئے بھیجا' عراق میں انبار کے نزدیک ایک خون ریز جنگ ہوئی جس میں یزید بن مہلب کی شکست ہوئی اور وہ مارا گیا۔ اس کے علاوہ ترک اور سغدی قبائل نے بھی بغاوتیں کیں جنہیں اگرچہ دبا دیا گیا مگر اس سے قبائلی تعصبات جاگ اٹھے اور ملک میں خانہ جنگی کی سی کیفیت پیدا ہو گئی۔

یزید (ثانی) کے عہد کو بنو امیہ کا بدترین عہد کہا جا سکتا ہے کیونکہ اس عہد سے بنو امیہ کے دورِ زوال کا آغاز ہوا اور عباسیوں کو اپنی دعوت پھیلانے کی سرگرمیاں تیز کرنے کا خوب موقع ملا۔ یزید نے وفات سے قبل اپنے بھائی ہشام بن عبد الملک اور بیٹے ولید کو بالترتیب اپنا جانشین نامزد کیا۔

ہشام بن عبد الملک (105ھ تا 125ھ بمطابق 724ء تا 743ء):

یزید ثانی کی وفات کے بعد، ہشام بن عبد الملک 105 ہجری میں خلافت کے منصب پر فائز ہوا، جو عبد الملک کے لائق ترین فرزندوں میں سے تھا۔ جب ہشام نے خلافت سنبھالی، تو اس وقت ہر طرف انتشار اور فساد تھا، اور اس نے اپنے طویل دور حکومت میں خلافتِ بنو امیہ کو تباہی سے بچانے کی کوششیں کیں۔ اگرچہ وہ بنو امیہ کو مکمل طور پر زوال سے نہ بچا سکا، لیکن اس نے عارضی طور پر اموی قصر اقتدار کو سہارا دیا۔ ہشام کے دور میں عباسی دعوت نے بھی زور پکڑا، جس کی قیادت آل عباس کے محمد بن علی نے کی۔ ہشام نے اس تحریک کا مقابلہ کرنے کی کوشش کی، لیکن یہ تحریک بالآخر بنو امیہ کے زوال کا سبب بنی۔ ہشام کی حکومت میں مختلف داخلی مسائل اور بغاوتوں کا سامنا رہا، مگر اس نے اپنی ہمت اور مستقل مزاجی سے ان مشکلات کا مقابلہ کیا۔

ولید ثانی بن یزید (125ھ تا 126ھ، بمطابق 743ء تا 744ء):

یزید بن عبد الملک کی وفات کے بعد، ولید ثانی 125 ہجری میں خلافت کے منصب پر فائز ہوا، جو امورِ مملکت سے غافل اور فسق و فجور میں غرق رہتا تھا۔ اس نے عوام اور فوج کو اپنا ہمنوا بنانے کے لیے بڑی رقم خرچ کی اور فوج کی تنخواہوں میں اضافہ کیا۔ ہشام بن عبد الملک نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں ولید کی نالائقیوں سے تنگ آ کر اپنے بیٹے مسلمہ کو جانشین مقرر کرنے کا ارادہ کیا، جس کی وجہ سے ولید ہشام کے خاندان کا سخت دشمن بن گیا۔ خلیفہ بننے کے بعد اس نے ہشام کی اولاد پر مظالم ڈھائے اور ان کی جائیدادیں ضبط کر لیں، جس کی وجہ سے عوام اس سے متنفر ہو گئے۔ اس نے قبائلی عصبیت کو ابھارا اور یمنی قبائل کے رہنما خالد بن عبد اللہ القسری کو گرفتار کروا کر مار ڈالا، جس پر یمنی قبائل نے اس کی بیعت کو فسخ کر کے یزید ثالث کی بیعت کر لی۔ ولید ثانی جب حمص اور دمشق کے درمیان قلعہ نجرا میں مقیم تھا، تو مشتعل یمنی قبائل اور یزید ثالث کی فوج نے قلعہ کا محاصرہ کیا اور اسے قتل کر دیا۔

یزید ثالث بن ولید (126ھ بمطابق 744ء):

ولید ثانی کے قتل کے بعد یزید بن ولید اول خلیفہ بنا۔ وہ فطرتاً ایک شریف النفس انسان تھا۔ تخت نشینی کے بعد اس نے جو خطبہ دیا اس میں عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کرنے، حدود اللہ کی حفاظت کرنے، ملک سے فتنہ و فساد دور کرنے، عوامی ضروریات کی فراہمی اور ملکی سرحدوں کی حفاظت کا وعدہ کیا تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ عوامی فلاح و بہبود چاہتا تھا، مگر موت نے اسے یہ تمام وعدے پورے کرنے کی مہلت نہ دی۔

ابراہیم بن ولید (126ھ تا 127ھ بمطابق 744ء تا 745ء):

یزید کی وفات کے بعد اس کا بھائی ابراہیم 126ھ میں تخت نشین ہوا لیکن وہ برائے نام خلیفہ ثابت ہوا۔ اس کی خلافت کو تسلیم نہیں کیا گیا اور چند ہی مہینوں میں مروان بن محمد نے اس کی حکومت کا خاتمہ کر کے خود خلیفہ بن گیا۔

مروان ثانی بن محمد بن مروان (127ھ تا 132ھ بمطابق 745ء تا 750ء):

مروان ثانی کی خلافت کا آغاز نہایت پر آشوب حالات میں ہوا، جب اموی حکومت شدید انتشار کا شکار تھی۔ وہ ایک تجربہ کار اور بہادر خلیفہ تھا، لیکن مضری اور یمنی قبائل کے درمیان کشمکش نے شام میں بغاوتوں کو جنم دیا۔ مروان نے دمشق کو چھوڑ کر حرّان کو دارالخلافہ بنایا، جس کے نتیجے میں شامی عوام اس کے خلاف ہو گئے۔ اس دوران، حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کے پوتے عبد اللہ بن معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی یمنی اور ربیعہ قبائل کی مدد سے بغاوت کی، لیکن شکست کھائی۔ خوارج نے بھی شورشیں برپا کیں، جنہیں مروان کے بیٹے عبد اللہ نے کچل دیا۔

عباسی تحریک اس عہد میں زور پکڑ گئی، جس کی قیادت ابراہیم بن محمد عباسی اور ابو مسلم خراسانی نے کی۔ مروان نے ابراہیم کو گرفتار کر کے قتل کروا دیا، لیکن حالات عباسیوں کے حق میں بہتر ہوتے گئے۔ مروان نے فیصلہ کن جنگ لڑنے کا ارادہ کیا اور دریائے زاب کے کنارے ایک بڑا لشکر لے کر خیمہ زن ہوا، مگر اسے شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ مروان بھاگ کر موصل اور پھر خراسان پہنچا، لیکن عباسیوں نے اس کا پیچھا کیا اور آخر کار 132 ہجری میں بوجیر کے مقام پر لڑتے ہوئے مارا گیا۔ اس شکست نے اسلامی تاریخ کا رخ بدل دیا اور 132 ہجری میں اموی اقتدار عباسیوں کے ہاتھ میں منتقل ہو گیا۔

4- بنو امیہ کے زوال کے اسباب

بنو امیہ کم و بیش ایک صدی تک دنیائے اسلام کے حکمران رہے۔ اس دوران انہوں نے بڑے تزک و احتشام اور جاہ و جلال سے امورِ جہانبانی کو انجام دیا۔ اموی سلطنت کے ظاہری جلال و جبروت اور استحکام کے پیش نظر کون یہ کہہ سکتا تھا کہ یہ قصر عظیم اس قدر جلد پیوند خاک ہو جائے گا۔ اموی حکومت کا زوال اگرچہ اس کے قیام کے تقریباً ایک صدی کے بعد ہوا لیکن اس کی تعمیر کے وقت ہی اس میں زوال کے عناصر مضمر تھے اور بعد کے خلفاء کی سیاست اور ان کے اعمال کی بدعنوانیوں نے اس میں مزید اضافہ کر دیا۔ اس طرح اموی سلطنت کی جڑیں کھوکھلی ہوتی گئیں اور بالآخر وہ ہمیشہ کیلئے ختم ہو گئی۔ ذیل میں بنو امیہ کی حکومت کے زوال کے اسباب کا مختصراً جائزہ پیش کیا جاتا ہے:

5- شخصی حکومت

اموی حکومت کے زوال کی بنیادی وجہ اسلامی نظامِ خلافت کے بجائے موروثی اور شخصی حکومت کا قیام تھا، جو کہ حضرت امیر معاویہؓ کے دور میں شروع ہوا۔ اگرچہ انہوں نے ریاستی نظام کو اسلامی روایات پر قائم رکھنے کی کوشش کی، لیکن ان کے جانشینوں نے اس روش کو برقرار نہیں رکھا، جس کے نتیجے میں اموی حکومت اسلامی روح سے خالی ہو گئی۔ بیت المال خلیفہ کی ذاتی ملکیت بن گیا، اور اس کی آمدنی عوام کی فلاح و بہبود کے بجائے خلیفہ کی ذات پر خرچ ہونے لگی۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے اصلاحات کی کوششیں کیں، لیکن ان کے بعد وہی غیر شرعی اور استبدادی نظام دوبارہ جاری ہو گیا۔

شیعان علیؓ نے خلافت کو اہلِ بیت کا حق سمجھا اور سانحہ کربلا کے بعد ان میں اشتعال بڑھ گیا۔ اموی حکمرانوں نے قبائلی تعصب کو بھی ابھارا، جس سے یمنی اور مضری قبائل کے درمیان کشمکش پیدا ہوئی۔ ولی عہدی کا غلط طریقہ بھی زوال کا ایک سبب بنا، جہاں ہر خلیفہ اپنے مخالفین سے انتقام لینے کی کوشش کرتا تھا۔

موالی، یعنی عجمی لوگ، بھی اموی حکومت سے نالاں تھے، کیونکہ انہیں اسلامی مراعات سے محروم رکھا گیا تھا۔ خوارج نے بھی اموی حکومت کے خلاف جنگ جاری رکھی، جبکہ اراکین سلطنت کی ناقدری نے ان میں بددلی پیدا کی۔ علمائے حق نے بھی بنو امیہ کے اقدامات کے خلاف آواز اٹھائی، جس سے ان کی حکومت کو نقصان پہنچا۔ آخر میں،

اخلاقی پستی اور عیش و عشرت نے بھی اموی حکومت کو کمزور کیا، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ عوام حکمرانوں سے متنفر ہو گئے اور عباسی تحریک نے اس کمزوری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اموی اقتدار کا خاتمہ کر دیا۔

عباسی تحریک:

عباسی تحریک نے بھی بنو امیہ کے زوال کو قریب سے قریب تر کر دیا۔ عباسی ائمہ کی ذہانت و قابلیت اور ابو مسلم خراسانی کی خداداد صلاحیتوں کے سامنے اموی اقتدار ریت کی دیوار ثابت ہوا۔ انہوں نے اپنی تنظیمی اہلیت اور سیاسی بصیرت کی مدد سے اپنے داعیوں کے ذریعے امویوں کے مظالم اور استبداد کی تشہیر اس طریقہ سے کی کہ رعایا کے تمام غیر مطمئن عناصر عباسی جھنڈے تلے متحد ہو گئے' یہاں تک کہ یمن اور ربیعہ کے عرب قبائل بھی عباسی تحریک کے حلقہ بگوش ہو گئے اور مملکت کے تمام حصوں میں بنو امیہ کی حکومت کے خلاف نعرے بلند ہونے لگے۔ آخر کار اس ملک گیر تحریک نے اموی اقتدار کا تختہ الٹ کر عباسی خلافت کے قیام کی راہ ہموار کر دی۔

6- اموی عہد کی علمی و ادبی سرگرمیاں

عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اموی عہد میں علمی و ادبی سرگرمیوں کی طرف توجہ نہیں دی گئی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مسلمانوں کی اصل علمی تاریخ کی ابتدا عہدِ عباسیہ سے ہوتی ہے جس میں علوم و فنون کی تدوین ہوئی اور مسلمانوں نے دوسری اقوام کے ملاپ سے نئے نئے علوم سیکھے، لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ اموی عہد میں علوم و فنون پر بالکل توجہ نہیں دی گئی۔ اس عہد کے حالات کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ خلفائے بنو امیہ نے نامساعد حالات، جنگ و جدل اور کشور کشائی کی مصروفیات کے باوجود علوم و فنون کی سرپرستی کی۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ یہ عہد علوم و فنون کی ترقی کا محض ابتدائی دور تھا اور علوم کی ترقی و تکمیل کی جو صورت عباسی عہد میں ظاہر ہوئی اس کی جڑیں بلاشبہ اموی عہد میں پیوست ہیں اسی بنا پر اموی عہد 'علوم کی تخم ریزی اور پرورش کا دور کہلاتا ہے۔ ذیل میں اس عہد کے علوم کا اجمالی جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

دینی علوم:

خلفائے راشدین کے عہد میں دینی علوم کی نشر و اشاعت کا کام سرکاری سرپرستی میں کیا جاتا تھا اور حصول اور ترویجِ علوم کیلئے لوگوں کی حوصلہ افزائی کی جاتی تھی، لیکن اموی عہد میں یہ سب کچھ ثانوی حیثیت اختیار کر گیا۔

بہر حال خلفائے بنوامیہ' دینی علوم کی ترویج اور اشاعت کی کوششوں کی حوصلہ افزائی اور علوم کی سرپرستی کسی حد تک کرتے رہے۔

دینی علوم میں قرآن و سنت اور فقہ وغیرہ سے متعلق علوم شامل ہیں۔ اس عہد میں بہت سے ایسے صحابہؓ تابعین اور علماء موجود تھے جنہوں نے بنفس نفیس دین کی ترویج واشاعت کے کام کو جاری رکھا۔ ان میں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ، عبد اللہ بن عمرؓ، عبد اللہ بن مسعودؓ، حضرت عائشہؓ، زید بن ثابتؓ اور حضرت انس بن مالکؓ خاص طور پر مشہور ہیں۔

قرآن مجید:

قرآنِ مجید کتاب ہدایت اور تمام اسلامی علوم کا منبع ومصدر رہے۔ خلفائے راشدین کے عہد میں قرآن فہمی اور اس کی اشاعت پر خصوصی توجہ دی گئی، چنانچہ حفاظتِ قرآن، قرأت اور عربی زبان کی ترویج واشاعت کیلئے بہت سے اقدامات کئے گئے۔ اس وقت تک قرآن مجید پر نقطے اور اعراب نہیں تھے جس کی وجہ سے نو مسلموں کو قرآن مجید پڑھنے میں سخت پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا تھا اور ساتھ ہی بہت سی غلطیاں پیدا ہونے کا امکان بھی تھا۔ ان دشواریوں کے پیش نظر عبد الملک بن مروان نے الفاظِ قرآنی پر نقطے اور اعراب لگانے کا اہتمام کیا۔ اس کام کیلئے حجاج بن یوسف کی خدمات حاصل کی گئیں جسے قرآنِ مجید پر اعراب ونقطے لگانے کی سعادت حاصل ہوئی۔ اس طرح عجمیوں کیلئے قرآن کو پڑھنا اور سمجھنا آسان ہو گیا۔

قرآنِ مجید کے مشہور قرائے سبعہ یعنی سات قاری بنوامیہ ہی کے دور کے تھے۔

حضرت عمر بن عبد العزیز کے دور میں قرآنی علوم کی ترویج کی طرف سب سے زیادہ توجہ دی گئی اور مختلف علاقوں میں علماء کو قرآنِ مجید کی تعلیم کیلئے بھیجا گیا۔

علمِ تفسیر:

قرآنِ مجید کی تفسیر کی ابتداء نزولِ قرآن کے ساتھ ہی ہو گئی تھی۔ جب بھی کوئی آیت نازل ہوتی تو نبی اکرم ﷺ اس کی تفسیر بیان کر دیا کرتے تھے۔ صحابہ کرامؓ کے اقوال اور اجتہادات بھی تفسیر میں شمار ہوتے تھے۔ لیکن تفسیر ایک باقاعدہ فن کی حیثیت سے اموی عہد میں متعارف ہوئی۔ اس عہد کے نامور مفسرین میں عکرمہ، قتادہ

بن دعامہ سدوسی، مجاہد بن جبیر، سعید بن جبیر اور حسن بصری شامل ہیں جن میں سے مجاہد، حسن بصری، سعید بن جبیر، امام باقر اور ابو حمزہ نے تفسیریں بھی لکھیں تھیں۔

حدیثِ علم:

اموی عہد میں علمِ حدیث کی طرف سب سے زیادہ توجہ دی گئی اور اس کی ترویج و اشاعت کا کام بڑی تیزی سے ہوا۔ اس عہد میں عوام میں احادیث کو یاد کرنے اور جمع کرنے کا ایک خاص ذوق پیدا ہو گیا تھا۔ مدینہ میں حدیث کا درس دینے کے حلقے قائم تھے جہاں دور دور سے لوگ حدیث سننے کیلئے آیا کرتے تھے۔ امام شہاب زہری احادیث کی تلاش میں مدینے کی گلی گلی میں پھرتے تھے۔ ابو قلابیہ جرمی ایک ایک حدیث کو سننے کئی کئی دن تک مدینہ میں مقیم رہتے تھے۔ امام مکحول نے علم حدیث کی تلاش میں بے شمار سفر کئے اور دنیائے اسلامی کے مختلف گوشوں میں محدثین سے استفادہ کیا۔ خلیفہ ہشام بن عبد الملک نے امام ابن شہاب زہری سے چار سو احادیث پر مشتمل ایک مجموعہ مرتب کروایا۔ حضرت عمر بن عبد العزیز نے احادیث کی تدوین اور ترویج و اشاعت میں تمام اموی خلفاء سے زیادہ حصہ لیا۔ انہوں نے تمام علاقوں کے عاملین کو خطوط لکھے جن میں انہیں احادیث جمع کرنے اور انہیں لکھوا کر آپ کی طرف بھیجنے کا حکم تھا، چنانچہ ان کے عہد میں بڑی تعداد میں احادیث کے مجموعے مرتب ہوئے۔ انہوں نے احادیث کے یہ مجموعے تمام شہروں میں پھیلا دیئے تاکہ لوگ صحیح احادیث سے واقف ہو سکیں۔ سعید بن جبیر، سعید بن مسیب، سالم بن عبد اللہ، طاؤس بن کیسان، امام شعبی، عطا بن ابی رباح، عکرمہ، نافع، علقمہ ابن قیس، قتادہ بن دعامہ سدوسی، مجاہد، محمد بن سیرین، ابن شہاب زہری، محمد بن منکدر اور مکحول اسی عہد کے عظیم محدثین ہیں۔

فقہ:

بنو امیہ کے عہد میں عبید اللہ ابن عبد اللہ بن مسعود، ابو بکر بن عبد الرحمان، عروہ بن زبیر، قاسم بن محمد بن ابی بکر، سعید بن مسیب، سلیمان بن یسار اور خارجہ بن زید علم حدیث کے ساتھ ساتھ فقہ میں بھی کمال رکھتے تھے اسی وجہ سے یہ فقہائے سبعہ (سات فقہائ) کے نام سے مشہور تھے، اس عہد میں زیادہ تر انہی فقہاء کے ذریعہ فقہ کی اشاعت ہوئی۔

فقہائے سبعہ کے علاوہ ربیعہ بن فرخ رائی، ابراہیم نخعی، امام شعبی، امام جعفر صادق، عبد الرحمن بن ابی سلمٰی اور قاضی شریح ایسے نامور فقیہ تھے جنہوں نے فقہ پر باقاعدہ کتابیں بھی تحریر کیں۔ عروہ بن زبیر نے فقہ پر ایک کتاب لکھی، مکحول نے دو کتابیں "کتاب السنن" اور "کتاب المسائل" لکھیں جن میں سے اوّل الذکر احادیث سے

متعلق تھی اور دوسری فقہ کی کتاب تھی۔ امام زہری کے فتاویٰ کو تین ضخیم جلدوں میں جمع کیا گیا تھا جو بعد میں آنے والوں کیلئے رہنمائی کا باعث ہوا۔ امام ابو حنیفہ اور امام مالک بھی بنو امیہ کے دور میں گزرے ہیں' یہ حضرات علمِ فقہ میں اپنے رسوخ کی بناء پر دو الگ الگ فقہی مسالک کے امام بنے۔

علمِ تاریخ:

تاریخ نویسی کا باقاعدہ آغاز اموی عہد سے ہوا' اس سے پہلے تاریخ نویسی قصہ گوئی کے درجے سے آگے نہ بڑھ سکی تھی جس میں مؤرخین کا تخیل اور افسانوی رنگ شامل ہوتا تھا۔ اموی عہد میں پہلی مرتبہ تاریخی حقائق کو بے لاگ بیان کرنے کی روایت قائم ہوئی۔

تاریخ نویسی کی ابتداء سیرت و مغازی سے ہوئی، اسلام کی ابتدائی تاریخ انہی دونوں (سیرت و مغازی) سے عبارت ہے، اموی عہد میں عروہ بن زبیر، شرحبیل بن سعد، وہب بن منبہ، عکرمہ، عاصم ابن عمرو بن قتادہ، امام زہری، موسیٰ بن عقبہ اور معمر بن راشد اس فن کے امام تھے۔ کشف الظنون کے مطابق مغازی اور سیرت پر پہلی کتاب عروہ بن زبیر نے لکھی تھی، لیکن امام سہیلی کے نزدیک اس فن پر پہلی تصنیف امام زہری کی ہے۔ حضرت امیر معاویہ کے دور میں عبید بن شربہ نے "کتاب الامثال اور کتاب الملوک و اخبار الماضین" تالیف کیں اور اسی دور میں ایک مورخ عوانہ بن حکم نے "کتاب التاریخ" اور "سیرت معاویہ" لکھی۔ ان بنیادی کتب کے بعد سیرت و مغازی پر جو بھی تصانیف ہوئیں انہی علماء کی بیان کردہ روایات سے فائدہ اٹھا کر لکھی گئیں۔ اس فن کو سب سے زیادہ ترقی جس شخصیت نے دی وہ محمد بن اسحاق ہیں۔ خطیب بغدادی کا بیان ہے کہ انہوں نے اس فن کو اتنی ترقی دی کہ پھر بعد میں کوئی اس میں اضافہ نہ کر سکا۔ انہوں نے سلاطین اور امراء کی توجہ لایعنی قصوں سے ہٹا کر تاریخی حقائق کی طرف مبذول کرائی تھی۔ انہوں نے تاریخ، سیرت اور مغازی پر "کتاب السیرۃ والمبتداء والمغازی" اور "کتاب الخلفاء" کے نام سے دو کتابیں لکھیں جو بڑے پائے کی کتابیں تھیں مگر بد قسمتی سے ناپید ہو گئیں۔ البتہ "سیرت ابنِ ہشام" جو ابنِ اسحاق ہی کی بیان کردہ روایات پر مشتمل ہے، آج بھی موجود ہے اور سیرت پر بڑی مستند اور بلند پائے کی کتاب مانی جاتی ہے۔

وہب بن منبہ (110ھ) نے جو مغازی اور سیرت کے ساتھ عرب کی تاریخ کے بھی ماہر تھے، سلاطین حمیر کے حالات پر ایک کتاب لکھی تھی۔

7- عباسی تحریک

اموی عہد میں سب سے مضبوط اور طاقتور تحریک عباسی تحریک تھی، جس نے بالآخر بنو امیہ کے اقتدار کا خاتمہ کر دیا۔ شیعان علیؓ نے بنو امیہ کی خلافت کو تسلیم نہیں کیا، کیونکہ ان کے نزدیک خلافت کے اصل حق دار اہل بیعت نبویؐ تھے۔ سلیمان بن عبد الملک کے دور میں یہ تحریک علویوں سے آل عباس کی قیادت میں منتقل ہوئی، جب حضرت امام حسینؓ کی شہادت کے بعد شیعان علیؓ نے امام زین العابدین کو منصب امامت پیش کیا، مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ اس کے بعد، حضرت علی کے غیر فاطمی بیٹے محمد بن حنیفہ کو یہ منصب سونپا گیا۔

محمد بن حنیفہ کے بعد ان کے بیٹے ابو ہاشم نے قیادت سنبھالی اور بعد میں عبد اللہ بن عباس کے پوتے محمد بن علی نے تحریک کی قیادت کی۔ محمد بن علی نے فلسطین میں اپنی خلافت کا دعویٰ کیا اور عباسی تحریک کو منظم کیا۔ اس تحریک کے داعی تاجروں اور فقیروں کے بھیس میں مختلف علاقوں میں بھیجے گئے، جنہوں نے اموی مظالم کی داستانیں سنائیں۔

عباسی تحریک کی کامیابی میں ابو مسلم خراسانی کا بڑا کردار تھا، جس نے خراسان میں دعوت کو پھیلایا اور 129 ہجری میں اپنی تحریک کا کھلم کھلا اعلان کیا۔ اس نے خراسان کے حاکم نصر بن سیار کو شکست دی، جبکہ ابراہیم عباسی کی گرفتاری اور قتل نے تحریک کو مزید تقویت دی۔ آخرکار، مروان ثانی کو فیصلہ کن جنگ میں شکست کا سامنا کرنا پڑا، جس کے نتیجے میں 132 ہجری میں اموی اقتدار کا خاتمہ ہوا اور عباسی خلافت قائم ہوئی۔

خود آزمائی:

1. بنو امیہ نے خلافت کیسے حاصل کی اور ان کا دور دیگر خلفاء راشدین کے دور سے کیسے مختلف تھا؟
2. اموی خلافت کے عروج اور زوال کے اہم ترین عوامل کیا تھے؟
3. حضرت امیر معاویہؓ کے دور میں اسلامی ریاست میں کیا اہم تبدیلیاں رونما ہوئیں؟
4. سانحہ کربلا کے کیا اسباب تھے اور اس کے اسلامی تاریخ پر کیا اثرات پڑے؟
5. عمر بن عبد العزیز کی اصلاحات کیوں اہم تھیں اور انہوں نے اسلامی ریاست کو کس طرح متاثر کیا؟
6. اموی دور میں اسلامی فتوحات کی کیا اہمیت تھی؟
7. اموی دور میں علمی و ادبی سرگرمیوں کے کیا اہم مراکز تھے؟

یونٹ نمبر5

عہدِ بنو عباس

فہرست عنوانات

یونٹ کا تعارف: 112

یونٹ کے مقاصد: 112

1 بنو عباس کا تعارف 113

1.1 دور عروج: 113

1.2 زوال پذیر دور: 114

1.3 دور زوال: 114

2 بنو عباس کا دور عروج 114

2.1 ابو العباس سفاح (132ھ تا 136ھ بمطابق 749ء تا 753ء) 114

2.2 ابو جعفر منصور: (136ھ تا 158ھ بمطابق 753ء تا 774ء) 115

2.3 محمد مہدی (158ھ تا 169ھ بمطابق 775ء تا 785ء) 115

2.4 موسیٰ الہادی (169ھ تا 170ھ: بمطابق 785ء تاء 786ء) 116

2.5 ہارون الرشید (170ھ تا 193ھ بمطابق 786ء تا 809ء) 117

2.6 امین الرشید (193ھ تا 198ھ بمطابق 809ء تا 813ء) 117

2.7 مامون الرشید (197ھ تا 218ھ بمطابق 813ء تا 833ء) 118

2.8 المعتصم باللہ (218ھ تا 227ھ بمطابق 833ء تا 842ء) 118

2.9 واثق باللہ (227ھ تا 232ھ بمطابق 842ء تا 847ء) 119

2.10 متوکل علی اللہ (232ھ تا 247ھ بمطابق 847ء تا 861ء) 119

3 خلافت عباسیہ کا دور انحطاط (247ھ تا 422ھ بمطابق 861ء تا 1031ء) 120

4 خلافت عباسیہ کے زوال کے اسباب 123

5 صلیبی جنگیں 124

5.1 وجوہات: 125

5.1.1 مذہبی اسباب 125
5.1.2 سیاسی اسباب 125
5.1.3 معاشی اسباب 125
5.1.4 فوری وجہ 126
5.2 پہلی صلیبی جنگ 126
5.2.1 پہلی صلیبی جنگ 126
5.2.2 دوسری صلیبی جنگ 126
5.2.3 صلاح الدین ایوبی اور بیت المقدس کی فتح 127
5.2.4 تیسری صلیبی جنگ 127
6 عہد بنو عباس کی علمی و ادبی سرگرمیاں 127
6.1 علمی و ادبی ترقی 127
6.2 مذہبی علوم اور ان میں ہونے والی خدمات: 128
6.2.1 علوم القرآن: 128
6.2.2 علم تفسیر: 128
6.2.3 علم الحدیث: 130
6.2.4 علم فقہ: 131
6.2.5 علم الکلام: 133
6.2.6 علم تاریخ: 133
6.3 عہد بنو عباس میں سائنسی علوم میں ترقی: 134
6.4 خود آزمائی: 134

یونٹ کا تعارف

اسلام کی پندرہ سو سالہ تاریخ میں بڑی بڑی اسلامی حکومتیں قائم ہوئیں، لیکن ان میں جو عظمت و شان اور اہمیت خلافت عباسیہ کو حاصل ہوئی، وہ کسی کے حصے میں نہیں آئی، اگرچہ اموی حکومت کے مقابلے میں ان کا رقبہ کم تھا اور برابر گھٹتا ہی رہا لیکن جب تک عباسی حکومت کا نام باقی رہا اس وقت تک اسلامی حکومتوں میں اس کو مرکزی حیثیت حاصل رہی اور اس کے زمانہ میں اس سے ٹوٹ کر جتنی حکومتیں قائم ہوئیں، ان میں سے اکثر کا تعلق ماتحت کی حیثیت سے آخر تک اس کے قائم رہا اور ان کے حکمران عباسیوں کی سیادت کو تسلیم کرتے اور ان کے نام کا خطبہ پڑھتے رہے، اسی کا عَلم ان کی حکومت کا نشان تھا جسے خود عباسی خلفاء ان کو عطا کرتے تھے، آخری زمانہ میں جب عباسی حکومت صرف بغداد تک محدود ہو کر رہ گئی تھی اس وقت بھی دینی مرکزیت اسی کو حاصل تھی۔

اس یونٹ میں آپ بنو عباس کے دور عروج اور دور زوال کا مطالعہ کریں گے۔ علاوہ ازیں اس دور میں مذہب کے نام پر ہونے والی صلیبی جنگوں کے اسباب، واقعات اور نتائج پر بھی روشنی ڈالی جائے گی۔

یونٹ کے مقاصد

امید ہے کہ اس یونٹ کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

1. آپ بنو امیہ کے خاندان کا تعارف حاصل کریں گے اور مختلف خلفاء کے دور حکومت اور ان کے کارناموں کے بارے میں جان سکیں گے۔
2. آپ بنو امیہ کے دور عروج میں ہونے والی فتوحات، اصلاحات اور دیگر اہم واقعات کے بارے میں پڑھیں گے۔ خاص طور پر حضرت امیر معاویہؓ، یزید بن معاویہ اور عبد الملک بن مروان کے دور حکومت پر توجہ دی جائے گی۔
3. آپ بنو امیہ کے دور زوال کی وجوہات اور عباسی انقلاب کے بارے میں جان سکیں گے۔
4. آپ اس دور میں دینی علوم، تاریخ اور دیگر علوم میں ہونے والی ترقی کے بارے میں پڑھیں گے۔
5. آپ عباسی تحریک کی وجوہات اور اس کے نتائج کے بارے میں جان سکیں گے۔

1- بنو عباس کا تعارف

بنو عباس حضورؐ کے چچا حضرت عباسؓ بن عبد المطلب کی اولاد میں سے تھے۔ امام حسینؓ کی شہادت کے بعد ان کے صاحبزادے امام زین العابدینؒ سیاست سے کنارہ کش ہو گئے تھے۔ اہل بیت کے حامیوں، جن کا اصطلاحی نام شیعان علی تھا، کی امامت اور راہنمائی محمد بن حنفیہ کی طرف منتقل ہو گئی، جو حضرت علی کے غیر فاطمی بیٹے تھے۔

جب محمد بن حنفیہ کا انتقال ہوا تو امامت ان کے بیٹے ابو ہاشم عبد اللہ کے پاس آئی جنہوں نے اپنی وفات سے قبل یہ منصب حضرت عبد اللہ بن عباس کے پوتے محمد بن علی کو سونپ دیا۔ یوں خلافت و امامت کا استحقاق حضرت علیؓ کی اولاد سے حضرت عباسؓ کی اولاد میں منتقل ہو گیا۔ محمد بن علی کے بعد امامت ان کے بیٹے ابراہیم کو اور ان کے بعد ان کے چھوٹے بھائی ابو العباس عبد اللہ کو منتقل ہوئی۔ (جو خلفائے بنو عباس میں پہلے خلیفہ تھے)

اس خاندان نے تقریباً 500 سال حکومت کی اور اس میں 37 خلفاء ہوئے۔ خلفائے بنو عباس کے عہد میں اقتدار کی باگ ڈور عربوں کے ہاتھ سے نکل کر عجمیوں میں منتقل ہو گئی تھی جس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ عباسی خلافت کا قیام زیادہ تر اہل عجم کی کوششوں کا نتیجہ یہ تھا۔ بنو عباس کے عہد میں ترکوں کو بہت عروج حاصل ہوا حتیٰ کہ آخری دور میں ان کو اس قدر اختیارات حاصل ہو گئے کہ یہ اپنی من مانی کرنے لگے اور خلفاء کے لئے دردسر بن گئے۔ بنو عباس کے 500 سالہ اقتدار میں کئی انقلابات اور کئی نشیب و فراز آئے، مگر بحیثیت مجموعی عباسی خاندان کو ہی مرکزی حیثیت حاصل رہی اور عالم اسلام کے اکثر و بیشتر سلاطین ان کی وفاداری کا دم بھرتے تھے۔ اس عہد میں مذہبی، سیاسی، تمدنی اور علمی لحاظ سے بہت ترقی ہوئی۔ ان کے 500 سالہ دور حکومت کو درج ذیل تین ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

دور عروج:

یہ دور 132ھ سے 247ھ تک پھیلا ہوا ہے۔ اس میں بنو عباس کے پہلے دس خلفاء آتے ہیں۔ یہ فرمانروا غیر معمولی صلاحیتوں کے مالک اور اعلیٰ پایہ کے مدبر تھے۔ اس دور میں تہذیب و تمدن اور علوم و فنون کو بہت ترقی ہوئی، اور عجمی اثر و رسوخ کو بہت فروغ ہوا۔ آٹھویں خلیفہ معتصم نے فوج میں عربوں کی بجائے ترکوں کو بھرتی کرنا شروع کر دیا جس کا اثر یہ ہوا کہ ترک بہت زور پکڑ گئے۔

زوال پذیر دور:

یہ دور 247ھ سے 400ھ تک جاری رہا۔ یہ انحطاط کا دور ہے، اس دور میں عباسی حکومت کمزور ہونا شروع ہو گئی اور سلطنت کا سارا کاروبار امیر الامراء کی مرضی و منشا کے مطابق ہونے لگا۔ اس دور میں سامانیوں اور صفاریوں کی خود مختار حکومتیں وجود میں آئیں۔

دور زوال:

یہ دور 400ھ سے 655ھ پر محیط ہے۔ اس دوران سلجوقیوں کو بہت غلبہ حاصل ہوا اور خلفائے بنو عباس کی حیثیت کٹھ پتلیوں کی سی ہو گئی۔ آخر 656ھ میں ہلاکو خان نے بغداد پر حملہ کیا اور خلیفہ معتصم باللہ کو قتل کر کے بنو عباس کے دورِ خلافت کو ہمیشہ کیلئے ختم کر دیا۔

2- بنو عباس کا دور عروج

ابو العباس سفاح (132ھ تا 136ھ بمطابق 749ء تا 753ء)

ابو العباس عبد اللہ بن محمد، جو "سفاح" کے لقب سے مشہور ہیں، عباسی خلافت کے پہلے خلیفہ تھے۔ 132 ہجری میں ابو مسلم خراسانی کی تحریک کے بعد انہیں خلیفہ بنایا گیا۔ ان کی خلافت کا آغاز بڑی خونریزی کے ساتھ ہوا، جس میں بنو امیہ کے خلاف سخت اقدامات کیے گئے۔ ان کے حکم پر بنو امیہ کے اکثر افراد کو قتل کیا گیا، حتیٰ کہ ان کی قبروں کو بھی نہیں بخشا گیا۔

سفاح نے اپنے دور میں کئی بغاوتوں کا سامنا کیا، جن میں بنو امیہ کے حامی امراء کی بغاوتیں شامل تھیں۔ انہوں نے اندرونی شورشوں کو دبانے کے ساتھ ساتھ بیرونی فتوحات بھی جاری رکھیں، مگر رومیوں کے ساتھ جھڑپوں میں مسلمانوں کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔

انتظامی اصلاحات کے سلسلے میں، سفاح نے وزارت کا عہدہ قائم کیا اور اپنے قریبی رفقاء کو مختلف صوبوں کا والی مقرر کیا۔ انہوں نے 4 سال 4 ماہ حکومت کی اور اپنے بھائی ابو جعفر منصور اور بھتیجے عیسیٰ بن موسیٰ کو ولی عہد مقرر کیا۔ 13 ذوالحجہ 136 ہجری کو ان کا انتقال ہوا اور انہیں دار الحکومت ہاشمیہ میں دفن کیا گیا۔

ابو جعفر منصور:(136ھ تا158ھ بمطابق753ء تا774ء)

ابو جعفر عبد اللہ بن محمد المنصور کی ولادت 95 ہجری میں ہوئی۔ وہ اپنے بھائی سفاح سے بڑے تھے، جنہوں نے اپنی موت سے قبل انہیں اپنا جانشین نامزد کیا۔ منصور نے 136 ہجری میں خلافت کا منصب سنبھالا اور اسے عباسی اقتدار کا حقیقی بانی تصور کیا جاتا ہے، کیونکہ اس نے خلافت کو مستحکم بنیادوں پر استوار کیا۔

منصور نے اپنے دور میں کئی چیلنجز کا سامنا کیا، بشمول اپنے چچا عبد اللہ بن علی کی بغاوت، جسے ابو مسلم خراسانی کی قیادت میں کچلا گیا۔ اسی طرح، ابو مسلم خراسانی کو بھی منصور نے خطرہ سمجھتے ہوئے دھوکے سے قتل کروایا۔ اس کے بعد مختلف مقامات پر بغاوتیں ہوئیں، جنہیں منصور نے بڑی ہمت سے قابو پایا۔

بیرونی فتوحات کے سلسلے میں، منصور کے سردار عمر بن علاء نے کوہستان اور طبرستان کے علاقے فتح کیے، اور سندھ کے کئی علاقے بھی عباسی مملکت میں شامل ہوئے۔

منصور نے عیسیٰ بن موسیٰ کو ولی عہد نامزد کرنے کی بجائے اپنے بیٹے مہدی کو یہ عہدہ دیا، جو کہ ایک اہم تبدیلی تھی۔

158 ہجری میں سفر حج کے دوران منصور بیمار پڑ گئے اور 6 ذوالحجہ کو وفات پا گئے۔ ان کی سیرت بلند پایہ تھی؛ وہ ایک با اخلاق اور مدبر حکمران تھے جنہوں نے علم و ادب کی سرپرستی کی اور انتظامی امور میں بہتری لانے کے لیے کئی اصلاحات کیں۔ ان کے دور میں بغداد کی بنیاد رکھی گئی، جو عباسی خلافت کا دارالحکومت بنا۔

محمد مہدی(158ھ تا169ھ بمطابق775ء تا785ء):

ابو جعفر منصور کی وفات کے بعد، خلیفہ مہدی 158 ہجری میں تخت نشین ہوئے، جب ان کی عمر 33 سال تھی۔ مہدی کے دور حکومت میں کئی اہم واقعات پیش آئے:

عام معافی کا اعلان

مہدی نے اپنے عہد کی ابتدا میں علویوں کے لیے عام معافی کا اعلان کیا، جس کے تحت انہوں نے قید میں موجود تمام علویوں کو رہا کیا اور ان کی ضبط شدہ جائیدادیں واپس کیں۔ اس اقدام نے انہیں عوام میں مقبول بنا دیا۔

مہدی کے دور میں ایک خراسانی ملحد ہاشم بن حاکم نے پیغمبری کا دعویٰ کیا۔ مہدی نے اس کی سرکوبی کے لیے اپنے جرنیل مسیب کو بھیجا، جس نے ہاشم کو شکست دی اور اس نے خودکشی کر لی۔

مہدی کے عہد میں کئی دیگر بغاوتیں بھی ہوئیں، جن میں یوسف بن ابراہیم اور عبد السلام جیسے سردار شامل تھے۔ مہدی کے جرنیلوں نے بروقت کارروائی کر کے ان بغاوتوں کو کچل دیا۔ مہدی نے 163 ہجری میں رومیوں کے خلاف فوج کشی کی اور کئی شہروں کو فتح کیا۔ انہوں نے اپنے بیٹے ہارون الرشید کو بھی رومیوں کے خلاف جنگ پر بھیجا، جس کے نتیجے میں مسلمانوں نے اہم کامیابیاں حاصل کیں۔

مہدی نے سپین کی اموی حکومت اور سندھ میں فوجی کارروائیاں کیں، مگر ان مہمات میں کامیابی حاصل نہ کر سکے۔ مہدی کا دور حکومت امن و امان کا دور تھا۔ انہوں نے انتظام سلطنت کو بہتر بنانے کے لیے کئی اصلاحات نافذ کیں، جیسے کہ ڈاک کا نظام قائم کرنا اور عوامی فلاح و بہبود کے کام کرنا۔

169 ہجری میں مہدی وفات پا گئے۔ انہوں نے اپنے بیٹوں ہادی اور ہارون الرشید کو جانشین مقرر کیا۔ مہدی ایک حلیم اور عفو و درگزر کرنے والے حکمران تھے، جو انصاف اور مساوات کے اصولوں پر عمل پیرا تھے

موسیٰ الہادی (169ھ تا 170ھ: بمطابق 785ء تا 786)

مہدی کی وفات کے بعد، موسیٰ الہادی 169 ہجری میں تخت نشین ہوا، جبکہ اس کی والدہ ملکہ خیزران اپنے بیٹے ہارون کو ولی عہد بنانا چاہتی تھیں، مگر مہدی کی اچانک موت نے اس منصوبے کو ناکام بنا دیا۔ ہادی نے اپنی ماں کے اس عمل سے ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے اسے آہستہ آہستہ امور سلطنت سے بے دخل کر دیا۔ اس دوران، حسین بن علی بن حسن نے مدینہ میں اپنے خلیفہ ہونے کا اعلان کیا اور اہل مدینہ نے اس کی بیعت شروع کر دی، جس کے نتیجے میں ہادی نے اسے کچلنے کے لیے محمد بن سلیمان کو بھیجا۔ حسین بن علی کی بغاوت فخ کے مقام پر جنگ کے بعد ناکام ہوئی اور وہ اپنے ساتھیوں سمیت مارے گئے۔ اسی طرح، جزیرہ میں حمزہ بن مالک نے بغاوت کی، لیکن اسے بھی جلد ہی اپنے ہی لوگوں نے مروا دیا۔ ہادی نے مہدی کے وصیت نامے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ہارون کو ولی عہد سے محروم کرنے کی کوشش کی، مگر وہ 170 ہجری میں وفات پا گیا، جس سے ہارون کے لیے خلافت کا راستہ ہموار ہو گیا۔

ہارون الرشید (170ھ تا 193ھ بمطابق 786ء تا 809ء):

ہارون الرشید کا عہد خلافت 786 سے 809 ہجری تک جاری رہا، جسے اسلامی تاریخ کا ایک شاندار دور سمجھا جاتا ہے۔ ہارون کی تعلیم و تربیت خلیفہ مہدی کی نگرانی میں ہوئی اور وہ اپنے بھائی ہادی کی وفات کے بعد 33 سال کی عمر میں تخت پر بیٹھے۔ ان کے دور میں بغداد دینی اور دنیاوی علوم کا مرکز بن گیا، جہاں ہارون نے علم و ادب کی سرپرستی کی اور اہل علم کو جمع کیا۔ انہوں نے عوام کی فلاح و بہبود کے لیے کئی اصلاحات نافذ کیں، جیسے کہ پانی کی فراہمی کے لیے نہر زبیدہ کا قیام۔ ہارون نے مختلف بغاوتوں کا قلع قمع کیا، بشمول یحییٰ بن عبد اللہ اور حسین بن علی کی بغاوتیں، اور رومیوں کے ساتھ کئی معرکوں میں کامیابیاں حاصل کیں۔ ان کے عہد میں علمی ترقی ہوئی، خاص طور پر حنفی فقہ کی تدوین کے سلسلے میں۔ ہارون الرشید ایک عادل حکمران تھے جو عوامی مسائل سے باخبر رہنے کے لیے رات کو بھیس بدل کر گشت کرتے تھے، اور ان کا دور حکومت اسلامی تاریخ میں عدل و انصاف کی ایک مثال بنا۔ 23 سال حکومت کرنے کے بعد، وہ 193 ہجری میں وفات پا گئے۔

امین الرشید (193ھ تا 198ھ بمطابق 809ء تا 813ء)

ہارون الرشید کے بعد، ان کے بیٹے امین الرشید 809 ہجری میں تخت نشین ہوئے۔ امین ایک عیش پرست اور رنگین مزاج شخص تھا، جسے سلطنت کے امور سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اس نے مختلف تفریحی سرگرمیوں میں وقت گزارا، جیسے کہ مسخرے اور داستان گوؤں کو بلانا اور عیش و عشرت کی محفلیں سجانا۔ اس کے اور اس کے بھائی مامون کے درمیان اختلافات جلد ہی خانہ جنگی کی صورت اختیار کر گئے۔ ہارون نے اپنی وفات سے قبل سلطنت کو دو حصوں میں تقسیم کیا، جس کے نتیجے میں دونوں بھائیوں میں سیاسی کشیدگی پیدا ہوئی۔ امین نے مامون کو ولی عہدی سے دستبردار کرنے کی کوشش کی، جس پر مامون نے بغاوت کا اعلان کیا۔ 195 ہجری میں امین نے مامون کے خلاف فوجی مہمات شروع کیں، لیکن وہ مسلسل ناکام رہے۔ آخرکار، طاہر بن حسین کی قیادت میں مامون کی فوج نے بغداد کا محاصرہ کیا، جس کے نتیجے میں امین کو قید کر لیا گیا اور بعد میں قتل کر دیا گیا، یوں اس کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔

مامون الرشید (197ھ تا 218ھ بمطابق 813ء تا 833ء):

مامون الرشید، جس کا اصل نام عبداللہ تھا، 170 ہجری میں پیدا ہوا اور اس کے والد ہارون الرشید نے اسے "مامون" کا لقب دیا۔ اس کی ابتدائی تعلیم مشہور وزیر جعفر بن یحییٰ برمکی کی نگرانی میں ہوئی، جہاں اس نے دینی اور دنیاوی علوم میں مہارت حاصل کی۔ مامون کی خلافت کا آغاز امین کے قتل کے بعد ہوا، اور اس نے مرو کو اپنا پایہ تخت بنایا۔ اس کے دور میں ایرانی وزیر فضل بن سہل کی غلط حکمت عملیوں کی وجہ سے شورشیں بڑھیں، لیکن مامون نے انہیں کچلنے کے لیے نئے وزراء مقرر کیے۔

مامون نے 816 عیسوی میں بابک خرمی کی سرکوبی کے لیے کئی فوجی مہمات بھیجیں، جبکہ رومیوں کے ساتھ جنگوں میں بھی کامیابیاں حاصل کیں۔ اس نے ایرانیوں کو اعلیٰ عہدوں پر فائز کیا، جس سے ایرانی ثقافت کو فروغ ملا۔ علمی ترقی کے لحاظ سے بھی مامون کا دور شاندار رہا، جہاں مختلف علوم و فنون کی ترویج ہوئی اور کئی اہم کتابوں کا ترجمہ کیا گیا۔

مامون الرشید 833 عیسوی میں وفات پا گئے، جس وقت ان کی عمر 48 سال تھی۔ وہ ایک عادل اور رحم دل حکمران تھے، جو اپنے دربار میں مختلف مذاہب کے علماء کو جمع کرتے تھے اور ان کے خیالات کو سنجیدگی سے سنتے تھے۔ تاہم، ان کے معتزلی عقائد کی وجہ سے بعض اسلامی علماء نے سخت مشکلات کا سامنا کیا۔ ان کی وفات کے بعد، انہوں نے اپنے بھائی معتصم کو جانشین مقرر کیا۔

المعتصم باللہ (218ھ تا 227ھ بمطابق 833ء تا 842ء):

مامون الرشید کی وفات کے بعد، فوج نے عباس بن مامون کو خلیفہ بنانے کی کوشش کی، مگر عباس نے اپنے والد کی وصیت کا احترام کرتے ہوئے اپنے چچا المعتصم باللہ کی بیعت کر لی۔ المعتصم نے اپنی حکمت عملی کے تحت ترک سپاہیوں کو اپنی حفاظتی فوج میں شامل کیا اور ایرانیوں کی جگہ انہیں اہم عہدوں پر فائز کیا۔ اس کے دور میں ترک سپاہیوں کی تعداد اڑھائی لاکھ تک پہنچ گئی، جو کہ بہادر اور نڈر تھے، لیکن ان میں نظم و ضبط کی کمی تھی۔

معتصم نے بغداد کے شمال میں دریائے دجلہ کے کنارے ایک نیا شہر "سامرا" آباد کیا، جہاں ترک سپاہیوں کی رہائش کے لیے بیرکیں اور محلات تعمیر کیے گئے، اور جلد ہی سامرا عباسی خلفاء کا دارالخلافہ بن گیا۔ اس دوران، بصرہ

میں "زط" قوم نے بغاوت کی، جسے ایک عرب جرنیل نے کچل دیا۔ بابک خرمی کی سرکشی بھی معتصم کے دور میں ختم ہوئی جب ایک ترک جرنیل افشین نے اس کے قلعوں کو فتح کیا۔ رومیوں کے خلاف بھی معتصم نے کامیاب مہمات چلائیں اور عموریہ شہر کو واپس حاصل کیا۔

معتصم 9 ربیع الاول 227 ہجری (5 جنوری 842ء) کو وفات پا گئے۔ وہ ایک بہادر اور سخت گیر حکمران تھے، جنہوں نے زراعت کی ترقی پر زور دیا لیکن علم و ادب سے دور رہے۔ ان کا دور خلافت معتزلی عقائد کے فروغ کا بھی عکاس تھا، جس کے نتیجے میں انہوں نے کئی علماء پر مظالم ڈھائے۔

واثق باللہ (227ھ تا 232ھ بمطابق 842ء تا 847ء):

واثق باللہ، جو معتصم کا بیٹا تھا، 842ء میں خلافت سنبھالنے کے بعد اپنے والد کی سیاسی اور مذہبی حکمت عملی پر عمل پیرا رہا۔ اس کے دور میں ترکوں کو مزید عروج حاصل ہوا، اور اس نے ترک سالار اشناس کو نائب السلطنت بنا کر اسے جواہرات کا تاج اور ہار پہنائے۔ واثق کے عہد میں عربوں نے کئی شورشیں برپا کیں، جن میں بنو قیس اور بنو سلیم کی بغاوتیں شامل تھیں، جنہیں ترک سالار بغا کبیر نے کچل دیا۔ ایک اہم واقعہ احمد بن نصر کا قتل تھا، جو واثق کے معتزلی عقائد کے خلاف آواز اٹھاتے تھے، انہیں گرفتار کر کے دربار میں پیش کیا گیا جہاں واثق نے ان کا سر اڑا دیا۔ واثق کی وفات 847ء میں بیماری کے سبب ہوئی، اور اس نے پانچ سال نو ماہ تک حکومت کی۔ اس کا دور خلافت سختی اور شورشوں سے بھرا ہوا تھا، جس نے عباسی سلطنت کی سیاسی صورتحال کو متاثر کیا۔

متوکل علی اللہ (232ھ تا 247ھ بمطابق 847ء تا 861ء):

واثق کی وفات کے بعد، اس کے کم عمر بیٹے محمد کو خلیفہ بنانے کی کوششیں ناکام رہیں، اور بالآخر واثق کے چھوٹے بھائی جعفر بن معتصم کو متفقہ طور پر خلافت پر بٹھایا گیا، جس نے "متوکل علی اللہ" کا لقب اختیار کیا۔ متوکل نے اپنے پیش رو خلفاء کی پالیسیوں کو ترک کرتے ہوئے معتزلی عقائد کے خلاف سختی سے اقدامات کیے اور غیر معتزلی علماء کو قید سے آزاد کیا۔ اس نے عربوں کی شورشوں کو کچلنے کے لیے ترک سالار بغا کبیر کو بھیجا، اور اسی دوران ابن زیاد کو قتل کر دیا۔ قاضی احمد بن ابی داؤد، جو کہ معتزلی عقائد کے حامی تھے، متوکل کے دور میں زوال کا شکار ہوئے اور انہیں قید کر دیا گیا۔ متوکل نے مختلف بغاوتوں کا سامنا کیا، جن میں آذربائیجان اور آرمینیا میں ہونے والی بغاوتیں شامل تھیں،

جنہیں ترک سپاہیوں نے کچل دیا۔ متوکل نے فقہی مسائل میں امام شافعی کے مسلک کی پیروی کی اور احادیث کی اشاعت پر زور دیا، مگر اس کی سختی اور علویوں سے عداوت نے اس کے دور کو متنازعہ بنا دیا۔ بالآخر، متوکل نے اپنے تین بیٹوں کو ولی عہد مقرر کیا، مگر منتصر نے ترک امراء کے ساتھ ساز باز کر کے اسے قتل کروا دیا، جس سے اس کا دور خلافت ختم ہوا۔

3- خلافت عباسیہ کا دور انحطاط 247ھ تا 422ھ بمطابق 861ء تا 1031ء

خلیفہ متوکل کے قتل کے بعد عباسی حکومت میں انحطاط کا آغاز ہوا، جس کی وجہ سے معتصم باللہ اور اس کے جانشینوں کی ترک فوج میں بھرتی کے نتیجے میں ترکوں کو انتظام سلطنت میں غیر معمولی غلبہ حاصل ہوا۔ اس دور میں خلفاء عموماً کمزور رہے، جبکہ تمام اختیارات امیر الامراء کے ہاتھوں میں منتقل ہو گئے۔ بعد میں بنی بویہ خاندان نے بھی اقتدار حاصل کیا، جس کی وجہ سے خلفاء کٹھ پتلی بن کر رہ گئے۔

منتصر باللہ (861-862ء) نے اپنے والد متوکل کے قتل کے بعد خلافت سنبھالی، مگر ترکوں کی طاقت کو کم کرنے کی کوشش ناکام رہی۔ وہ ایک فیاض اور عادل حکمران تھے، لیکن ترکوں نے ان کے طبیب کو زہر دے کر انہیں ہلاک کر دیا۔ مستعین باللہ (862-865ء) نے منتصر کی وفات پر خلافت سنبھالی، مگر اس کا دور بھی شورشوں سے بھرا رہا۔ معتز باللہ (865-869ء) 19 سال کی عمر میں خلیفہ بنا، لیکن اسے بھی شورشوں کا سامنا کرنا پڑا اور ترک سپاہیوں نے اسے معزول کر دیا۔

مہتدی باللہ (869-870ء) علم دوست اور پابند شریعت خلیفہ تھا، مگر اس کی حکومت میں شورشیں بڑھ گئیں اور اسے ترک افسروں نے معزول کر دیا۔ معتمد علی اللہ (870-892ء) نے ترکوں کی مدد سے خلافت سنبھالی، لیکن ملک میں سیاسی عدم استحکام جاری رہا۔ معتضد باللہ (892-902ء) نے ترکوں کا زور توڑنے کی کوشش کی اور مخالف طاقتوں کو نیچا دکھایا، مگر قرامطہ تحریک پھلی پھولی۔

مکتفی باللہ (902-908ء) نرم مزاج اور عفو و درگزر کرنے والا خلیفہ تھا، جس نے قرامطیوں کو شکست دی۔ مقتدر باللہ (908-932ء) نے کئی بار معزولی اور بحالی کا سامنا کیا، جبکہ قاہر باللہ (933-934ء) نے اپنے سوتیلے بھائی مقتدر کو معزول کر کے تخت سنبھالا، مگر جلد ہی خود بھی معزول ہو گیا۔ راضی باللہ (934-940ء) عباسی خلافت کے

آخری دور کا ایک اہم کردار رہا، جس نے علمی روایات کو برقرار رکھا۔ اس کے بعد حکومت عباسیہ کے وقار و عظمت کا چراغ بجھ گیا۔

خلیفہ متقی باللہ (941-944ء) کی خلافت کے آغاز کے بعد عباسی حکومت میں انحطاط کا سلسلہ جاری رہا۔ متقی کی تخت نشینی عمائدین سلطنت کے باہمی مشورے سے ہوئی، لیکن اس نے امور سلطنت میں کوئی تجربہ نہ ہونے کی وجہ سے ملک میں شورشوں کا سامنا کیا۔ اس دور میں ترکوں کی طاقت میں اضافہ ہوا، جس کی وجہ سے امیر الامراء کا منصب مختلف سازشوں کا مرکز بن گیا۔ رومیوں نے شام کے سرحدی علاقوں میں لوٹ مار شروع کی، لیکن مسلمانوں نے جوابی کارروائی کرتے ہوئے انہیں شکست دی۔

اس کے بعد مستکفی باللہ (944-945ء) نے خلافت سنبھالی، مگر اس کی حکومت مالی مشکلات اور شورشوں سے متاثر رہی۔ مستکفی نے بویہ خاندان کے معزالدولہ کو امیر الامراء مقرر کیا، جس نے خلیفہ کو بے دخل کر دیا۔ مطیع للہ (945-974ء) کے دور میں بھی خلافت برائے نام رہی، جبکہ معزالدولہ نے عملی طور پر حکومت سنبھالی۔

طائع للہ (974-991ء) کے عہد میں دیلمی امراء کا غلبہ بڑھتا گیا، اور سیاسی طاقت کے حصول کے لیے رسہ کشی جاری رہی۔ 363ھ میں طائع کو معزول کر دیا گیا۔ قادر باللہ (991-1031ء) نے خلافت کو بحال کرنے کی کوشش کی، مگر اس کے دور میں بھی سیاسی انتشار جاری رہا۔

422ھ سے 656ھ تک عباسی خلافت کا دور زوال شروع ہوا، جب ترک سلجوقوں نے بغداد پر قبضہ کر لیا اور خلیفہ کی حیثیت برائے نام رہ گئی۔ 656ھ میں ہلاکو خان نے بغداد کو فتح کر کے آخری عباسی خلیفہ مستعصم باللہ کو قتل کر دیا، جس سے عباسی خلافت کا چراغ ہمیشہ کے لیے بجھ گیا۔

مستظہر باللہ، جو مقتدی باللہ کا بیٹا تھا، 1094ء میں صرف سولہ سال کی عمر میں خلافت سنبھالی۔ وہ رحم دل، بامروت اور خوش اخلاق خلیفہ تھا، جس نے علم و فضل کے ساتھ ساتھ اعلیٰ ادبی مہارت بھی حاصل کی تھی۔ اس کے دور میں خانہ جنگیوں، باطنیوں کی یورش اور صلیبی جنگوں کے باوجود خلافت بغداد پر بہت کم اثر ہوا۔ مستظہر نے اپنے بیٹے مسترشد باللہ کو ولی عہد مقرر کیا اور 512ھ میں وفات پائی۔

اس کے بعد مسترشد باللہ (1118-1134ء) نے خلافت سنبھالی۔ وہ ایک بہادر، عالم و فاضل اور فصیح خطیب تھا، جو اپنی رعایا کی فلاح و بہبود کے لیے سرگرم رہا۔ اس نے کئی ٹیکس معاف کیے اور ظلم و تعدی کا خاتمہ کیا، مگر

اس کے دور میں سلجوقیوں میں خانہ جنگی جاری رہی۔ 529ھ میں خلیفہ مسترشد کو سلطان مسعود کے ساتھ کشمکش کے دوران قتل کر دیا گیا۔

راشد باللہ (1134-1135ء) نے اپنے والد کے قتل کے بعد خلافت سنبھالی، لیکن اس کی حکومت بھی سلطان مسعود کے ساتھ چپقلش کا شکار رہی۔ راشد کو معزول کر دیا گیا اور مقتضی لامر اللہ (1135-1160ء) کو تخت پر بٹھایا گیا، جس نے بہادری سے سلجوقیوں کے سیاسی اثر سے عراق کو آزاد کرایا۔

مستنجد باللہ (1160-1170ء) نے اپنے عہد میں عربوں، کردوں اور ترکمانوں کی شورشوں کا قلع قمع کیا، مگر 566ھ میں سازشی امراء کی چالاکی سے قتل ہو گیا۔ مستضی بامر اللہ (1170-1179ء) نے خلیفہ بننے کے بعد مصر میں ایوبی حکومت کی بنیاد رکھی اور نورالدین زنگی کو اہم عہدے دیے۔

ناصر الدین اللہ (1179-1225ء) اپنے والد کی وفات پر تخت نشین ہوا اور اپنی طاقتور حکمرانی سے مخالف سلاطین کو مغلوب کیا۔ 626ھ میں اس نے بیس روز بیماری کے بعد وفات پائی۔ ظاہر بامر اللہ (1225-1226ء) نے عہد خلافت کا آغاز کیا اور عوامی فلاح و بہبود کے اقدامات کیے، مگر ساڑھے نو مہینے بعد وفات پا گیا۔

مستنصر باللہ (1226-1243ء) نے اپنے والد ظاہر باللہ کی وفات کے بعد 35 سال کی عمر میں خلافت سنبھالی۔ یہ خلیفہ رحم دل، بامروت اور خوش اخلاق تھا، جو عوامی فلاح و بہبود کے کاموں میں پیسہ خرچ کرنے میں مشہور تھا۔ اس نے مساجد، مدرسے، خانقاہیں اور مسافر خانے تعمیر کیے، جن میں سب سے نمایاں مدرسہ مستنصریہ تھا، جو اسلامی دنیا میں بے مثال سمجھا جاتا تھا۔

مستنصر کے عہد میں تاتاریوں نے خوارزم شاہ حکومت کا خاتمہ کر دیا اور جلال الدین کو قتل کر دیا۔ اسی دوران صلیبی جنگوں کی شدت میں اضافہ ہوا، جس کی وجہ سے مسلمانوں میں اتحاد کی کمی رہی۔ 626ھ میں بیت المقدس کو عارضی طور پر صلیبیوں کے حوالے کر دیا گیا۔

مستنصر نے اپنے بیٹے مسترشد باللہ کو ولی عہد بنایا اور 640ھ میں وفات پائی۔ اس کے بعد مسترشد باللہ (1134-1135ء) نے خلافت سنبھالی، جو ایک باعمل اور عبادت گزار انسان تھا، مگر اس کے دور میں سلجوقیوں کی خانہ جنگی جاری رہی۔

راشد باللہ (1135ء) نے اپنے والد کے قتل کے بعد خلافت سنبھالی، لیکن اس کی حکومت بھی سلطان مسعود کے ساتھ چپقلش کا شکار رہی، جس کے نتیجے میں اسے معزول کر دیا گیا۔ مقتضی لامر اللہ (1135-1160ء) نے اپنے چچا راشد کی معزولی کے بعد خلافت سنبھالی اور عباسی خلافت کو دوبارہ مستحکم کرنے کی کوشش کی۔

مستنجد باللہ (1160-1170ء) نے بھی شورشوں کا قلع قمع کیا، مگر اس کا دور بھی سازشوں سے بھرا رہا۔ مستضی بامر اللہ (1170-1179ء) نے فاطمی حکومت کا خاتمہ کیا اور ایوبی حکمرانوں کے ساتھ تعلقات قائم کیے۔

ناصر الدین اللہ (1179-1225ء) نے اپنی طاقتور حکمرانی سے مخالف سلاطین کو مغلوب کیا، مگر اس کی سختی اور نئے ٹیکسوں نے عوام میں ناپسندیدگی پیدا کی۔ ظاہر بامر اللہ (1225-1226ء) نے بھی عوامی فلاح و بہبود پر توجہ دی، مگر اس کی حکومت مختصر رہی۔

آخر کار، راضی باللہ (934-940ء) کی وفات کے بعد عباسی خلافت زوال پذیر ہوئی، جس کا آغاز ترک سلجوقوں کے قبضے سے ہوا۔ 656ھ میں ہلاکو خان نے بغداد پر حملہ کر کے آخری عباسی خلیفہ مستعصم باللہ کو قتل کر دیا، جس سے عباسی خلافت کا چراغ بجھ گیا۔

4- خلافت عباسیہ کے زوال کے اسباب

عباسی خلافت کا دور تقریباً پانچ سو سالوں پر محیط تھا، جس میں مختلف عوامل نے اس کی عروج اور زوال کی کہانی رقم کی۔ یہ دور مسلمانوں کے لیے ایک شاندار عہد تھا، لیکن اس کے بعد زوال کا آغاز ہوا، جو کئی داخلی اور خارجی عوامل کی وجہ سے ہوا۔

علویوں کی مخالفت: عباسی حکومت کے قیام کے وقت ہی علویوں میں بے چینی پیدا ہوئی، کیونکہ عباسیوں نے خود کو رسول اللہ ﷺ کے حقیقی جانشین کے طور پر پیش کیا۔ اس کے نتیجے میں علویوں نے کئی بار بغاوتیں کیں، جنہیں حکومت نے دبانے کی کوشش کی، مگر یہ اختلافات عباسی حکومت کی بنیادوں کو کھوکھلا کرتے رہے۔

نسلی اختلافات: عباسی خلافت کا قیام عجمیوں کی مدد سے ہوا، جس کی وجہ سے عربوں میں بے چینی پیدا ہوئی۔ عربوں کو اعلیٰ عہدوں سے محروم کرنے کے باعث وہ عباسی حکومت کے خلاف بغاوتوں میں شامل ہونے لگے۔

ترکوں کا داخلہ: ترکوں کی بھرتی نے بھی عباسی خلافت کو کمزور کیا۔ معتصم کے دور میں ترک فوجیوں کی تعداد بڑھنے لگی اور وہ خلیفہ کے لیے خطرہ بن گئے۔ ترک امراء نے خلیفہ کو اپنی مرضی سے مسند پر بٹھانا یا معزول کرنا شروع کر دیا، جس سے خلافت کا وقار متاثر ہوا۔

خود مختار ریاستوں کا قیام: عباسی حکومت کی کمزوری دیکھ کر مختلف صوبوں کے حاکموں نے خود مختار ریاستیں قائم کر لیں، جیسے کہ طاہریہ، صفاریہ اور فاطمیہ، جس سے خلافت بغداد کی حیثیت کو نقصان پہنچا۔

خفیہ تحریکیں: فاطمیہ اور دیگر خفیہ تحریکیں بھی عباسی سلطنت کے زوال کا سبب بنیں۔ ان تحریکوں نے عباسی خلافت کو چیلنج کیا اور ان کی مخالفت میں شدت پیدا کی۔

اخلاقی انحطاط: عباسی خلفاء کا اخلاقی انحطاط بھی ایک اہم سبب تھا۔ کمزور حکمرانوں کی نااہلی اور عیش و عشرت نے سلطنت کے معاملات کو بگاڑ دیا۔

عربوں میں قومی روح کا فقدان: عباسی خلفاء نے عربوں کو نظر انداز کیا، جس سے عرب قوم میں قومی روح کمزور ہوئی اور وہ اپنے آپ کو حکومت سے الگ کرنے لگے۔

فرقہ وارانہ اختلافات: شیعہ اور سنی گروہوں کے درمیان بڑھتے ہوئے اختلافات نے بھی سیاسی استحکام کو متاثر کیا۔

یہ تمام عوامل مل کر عباسی خلافت کے زوال کا باعث بنے، جس کا اختتام 1258ء میں ہلاکو خان کے حملے سے ہوا، جب بغداد کو فتح کر لیا گیا اور آخری عباسی خلیفہ مستعصم باللہ کو قتل کر دیا گیا۔

5- صلیبی جنگیں

بنو عباس کے عہد حکومت میں گیارھویں صدی عیسوی کے آخری سالوں میں یورپ کے عیسائیوں اور مشرق کی اسلامی دنیا کے درمیان مذہبی جنگوں کا ایک ایسا سلسلہ شروع ہوا جو تقریباً دو سو سال تک جاری رہا۔ یورپ کے عیسائیوں پر مذہبی دیوانگی کا ایک ایسا خوفناک ماحول طاری تھا کہ وہ گلے میں صلیبیں لٹکائے مسلمانوں کو فلسطین کی سر زمین سے نکالنے کا عزم لئے مقدس جہاد پر اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے۔ یہ جنگیں فلسطین اور شام کی حدود میں صلیب کے نام پر لڑی گئیں اس لیے تاریخ میں صلیبی جنگوں کے نام سے مشہور ہوئیں۔ فلسطین اور بیت المقدس کا شہر حضرت عمرؓ کے زمانے میں ہی فتح ہو چکا تھا، جو صدیوں سے مسلمانوں کے قبضہ میں رہا۔ خود عیسائیوں نے زمانہ دراز تک

اس قبضہ کے خلاف کوئی آواز نہ اٹھائی تھی مگر گیارھویں صدی کے آخر پر اچانک ان کے دلوں میں بیت المقدس کی فتح کا خیال پیدا ہوا۔ ان جنگوں میں اہل یورپ نے جس تنگ نظری، خون ریزی، بد عہدی، بد اخلاقی، اور سفاکی کا اظہار کیا اس کی مثال تاریخ میں مشکل سے ملے گی۔

وجوہات:

عباسی خلافت کا دور تقریباً پانچ سو سالوں پر محیط تھا، جس میں مختلف عوامل نے اس کی عروج اور زوال کی کہانی رقم کی۔ یہ دور مسلمانوں کے لیے ایک شاندار عہد تھا، لیکن اس کے بعد زوال کا آغاز ہوا، جو کئی داخلی اور خارجی عوامل کی وجہ سے ہوا۔

مذہبی اسباب

عباسی خلافت کے قیام کے وقت ہی علویوں میں بے چینی پیدا ہوئی، کیونکہ عباسیوں نے خود کو رسول اللہ ﷺ کے حقیقی جانشین کے طور پر پیش کیا۔ اس کے نتیجے میں علویوں نے کئی بار بغاوتیں کیں، جنہیں حکومت نے دبانے کی کوشش کی، مگر یہ اختلافات عباسی حکومت کی بنیادوں کو کھوکھلا کرتے رہے۔ عیسائیوں کے درمیان بھی یہ خیال پھیل گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول اسی وقت ہو گا جب یروشلم مسلمانوں کے قبضے سے آزاد ہو جائے، جس نے صلیبی جنگوں کی تحریک کو جنم دیا۔

سیاسی اسباب

عباسی خلافت کے عروج کے دوران مسلمانوں نے بڑی بڑی سلطنتیں زیر و زبر کیں، لیکن گیارھویں صدی میں اسلامی دنیا کی حالت بدل گئی۔ فاطمی سلطنت کا زوال اور سسلی میں مسلمانوں کا کمزور ہونا عیسائیوں کو طاقتور بنانے کا سبب بنا۔ قسطنطنیہ کی فتح کی راہیں کھلنے پر بازنطینی حکمران نے مغربی ممالک سے مدد طلب کی، جس نے صلیبی جنگوں کا آغاز کیا۔

معاشی اسباب

اٹلی کے تاجروں نے مشرق وسطیٰ میں تجارت کے مواقع کھو دیے تھے، جس کی وجہ سے انہوں نے مذہبی جنگوں میں شرکت کرنے کا فیصلہ کیا۔ یورپ میں جاگیر داری نظام کی خرابیاں بھی عوامی رد عمل کو بڑھاوا دینے کا سبب بنیں۔

فوری وجہ

پوپ اربن ثانی نے 1095ء میں عیسائیوں کو جہاد پر اکسایا، جس سے صلیبی جنگوں کا آغاز ہوا۔

پہلی صلیبی جنگ

عباسی خلافت کے دور میں صلیبی جنگوں کا آغاز ایک اہم تاریخی واقعہ تھا، جس نے اسلامی دنیا پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ یہ جنگیں 1095ء میں پوپ اربن دوم کے اعلان کے بعد شروع ہوئیں، جب عیسائیوں کو مسلمانوں کے خلاف جہاد پر اکسایا گیا۔

پہلی صلیبی جنگ

پہلی صلیبی جنگ کے دوران، یورپ کے مسیحی فدائیوں نے بیت المقدس کی فتح کا عزم کیا اور اس راہ میں کئی مظالم ڈھائے۔ عیسائی لشکروں نے راستے میں ملنے والے یہودیوں کو بے دردی سے قتل کیا، لوٹ مار کی اور اپنے ہی علاقوں میں بھی قتل وغارت کا بازار گرم کیا۔ جب یہ لشکر ہنگری پہنچے تو مقامی لوگوں کا صفایا کر دیا۔

1097ء میں عیسائی فوجیں ایشیائے کوچک میں داخل ہوئیں اور قونیہ کا محاصرہ کیا، جہاں سلجوق حکمران قلیج ارسلان کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ انطاکیہ پر نو ماہ کے محاصرے کے بعد قبضہ کرنے کے بعد، وہاں کی مسلمان آبادی کو تہ تیغ کر دیا گیا۔ 15 جون 1099ء کو عیسائیوں نے بیت المقدس پر قبضہ کر لیا اور شہر کی تمام مسلمان آبادی کو بے دردی سے قتل کر دیا۔

دوسری صلیبی جنگ

پہلی صلیبی جنگ کی تباہ کاریوں نے مسلمانوں کو اپنے اختلافات ختم کرنے کا موقع فراہم کیا، مگر یہ کوششیں زیادہ کامیاب نہ ہو سکیں۔ نورالدین زنگی کی قیادت میں مسلمانوں نے عیسائیوں کے خلاف جہاد کی نئی روح پھونکی۔ دوسری صلیبی جنگ 1147ء میں ہوئی، جس میں یورپ کے تین بادشاہوں نے شرکت کی، لیکن انہیں بھی نورالدین زنگی اور سلجوقیوں کے ہاتھوں شکست کا سامنا کرنا پڑا۔

صلاح الدین ایوبی اور بیت المقدس کی فتح

1174ء میں نورالدین زنگی کی وفات کے بعد صلاح الدین ایوبی نے اسلامی دنیا کو متحد کیا اور 1187ء میں حطین کی جنگ میں صلیبیوں کو شکست دی۔ اس کے بعد اس نے بیت المقدس کا محاصرہ کیا اور مسلمانوں نے بغیر خونریزی کے شہر واپس حاصل کر لیا۔

تیسری صلیبی جنگ

بیت المقدس کی فتح نے یورپ میں ایک نئی تحریک پیدا کی، جس کا آغاز 1189ء میں ہوا۔ صلیبی افواج نے کئی سال تک اسلامی علاقوں پر حملے کیے، مگر انہیں مسلسل ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ آخر کار، 1192ء میں رچرڈ اول اور صلاح الدین ایوبی کے درمیان صلح ہوئی، جس سے دونوں قوموں کے درمیان ایک عارضی امن قائم ہوا۔

6- عہد بنو عباس کی علمی و ادبی سرگرمیاں

بنو عباس کا دور اسلامی تاریخ میں ایک شاندار عہد تھا، جس نے علمی، ادبی، اور تہذیبی ترقی کے لحاظ سے اپنی مثال آپ قائم کی۔ یہ دور مسلمانوں کے لیے ایک ذہنی و فکری بیداری کا زمانہ تھا، جہاں مختلف علوم و فنون کی ترتیب و تزئین کی گئی۔ عباسی خلفاء، خصوصاً ابو جعفر منصور، مہدی، ہارون الرشید اور مامون الرشید نے علم و ادب کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کیا۔ انہوں نے نہ صرف خود علم کی جستجو کی بلکہ علماء و مشائخ کی سرپرستی بھی کی۔

علمی و ادبی ترقی

عباسی دور میں "بیت الحکمت" جیسے ادارے قائم کیے گئے، جہاں مختلف زبانوں کے علوم کا عربی میں ترجمہ کیا گیا۔ اس دور میں بے شمار یونانی، ہندی اور فارسی کتب کے تراجم ہوئے، جس نے اسلامی ثقافت کو مزید مستحکم کیا۔

اس عہد کی علمی و ادبی ترقی کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

1. مذہبی علوم میں خدمات
2. سائنسی علوم میں خدمات
3. ادبیات میں خدمات

مذہبی علوم اور ان میں ہونے والی خدمات:

مذہبی علوم کے تحت علوم القرآن، تفسیر القرآن، علم حدیث، علم فقہ، علم الکلام اور علم تاریخ آتے ہیں۔ ان پر الگ الگ نظر ڈالتے ہیں کہ اس دور میں ان تمام علوم میں کیا کیا کام ہوا۔

علوم القرآن:

قرآن مجید کا علم تمام علوم میں سر فہرست ہے۔ علوم القرآن میں سب سے زیادہ توجہ ''علم القراءت'' پر دی گئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اہل عرب کے لئے تو بغیر اعراب کے قرآن پاک پڑھنا مشکل نہ تھا مگر نو مسلموں خصوصاً جن کا تعلق عرب سے نہیں تھا، کے لیے اس میں بہت دشواری تھی۔ اس ضرورت کے پیش نظر چند علماء نے اس طرف توجہ دی۔ یہ علماء قراء سبعہ کہلاتے ہیں۔ ان ہی کی قراءت پر آج ہماری قراءت قرآن کا مدار ہے۔ ان قراء سبعہ کے نام یہ ہیں: نافع بن عبد الرحمٰن ابو عمرو بن العلاء البصری، عبد اللہ بن عامر، عبد اللہ بن کثیر، ابو بکر عاصم بن ابی النجد، ابو عمارہ حمزہ بن حبیب الزیات، ابو الحسن علی بن حمزہ الکسائی۔

علم تفسیر:

بنو امیہ کے عہد میں علم تفسیر پر کوئی قابل ذکر تصنیف نہیں ملتی۔ دراصل اموی دور میں تفسیری روایات تو ملتی ہیں تفسیری تصانیف نہیں۔ اگرچہ علم تفسیر کے بانی عبد اللہ بن عباس ہیں لیکن اس علم نے بڑے اور منظم علم کی صورت بنو عباس کے عہد میں ہی اختیار کی۔

عہد بنو عباس میں علم تفسیر پر باقاعدہ کام کا آغاز ہوا۔ اس دور میں تفسیر کے دو مکتب فکر وجود میں آئے۔ ایک وہ مکتب فکر جو یہ نظریہ رکھتے تھے کہ قرآن کی تشریح و تفسیر کے سلسلے میں صرف آیات قرآن، احادیث اور اقوال صحابہ پر ہی اکتفا کیا جائے اور اس سلسلے میں اپنی رائے اور اجتہاد سے مطلق پرہیز کیا جائے۔ اس قسم کی تفسیر کو ''تفسیر بالماثور'' کہتے ہیں۔

اس دور میں تفسیر بالماثور کی طرز پر جو تفاسیر لکھی گئیں۔ ان میں سے کچھ کے نام ذیل میں دیئے جاتے ہیں۔

1. جامع البیان فی تفسیر القرآن ابن جریر الطبری
2. بحر العلوم ابو اللیث السمرقندی

3. معالم التنزیل ابو محمد حسین البغوی
4. تفسیر القرآن العظیم حافظ ابن کثیر

ایک طبقہ وہ تھا جس نے یہ محسوس کیا کہ زمانے کی تبدیلی و ترقی کے ساتھ ساتھ نئے نئے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ لہذا ان نئے پیش آمدہ مسائل کو قرآن کی روشنی میں حل کرنے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ وہ اصحاب جنہوں نے مختلف مسائل کو قرآن و سنت کی روشنی میں رائے و اجتہاد کے ذریعے حل کیا اور آیات قرآن کی تشریح و تفسیر میں رائے سے کام لیا، وہ اصحاب الرائے کہلائے، ان کی تفسیر کو "تفسیر بالرائے" کا نام دیا گیا۔

بنو عباس کے عہد میں خصوصاً مامون الرشید کے دور میں یونانی علوم کا بہت رواج ہو گیا، ان علوم کے متعارف ہونے سے فلسفہ اور علم الکلام وجود میں آئے۔ لہذا ان یونانی علوم کی وجہ سے بہت سے سوالات پیدا ہوئے، علماء مجبور تھے کہ ان کا جواب اسلامی نقطہ نظر سے دیا جائے۔ چنانچہ اصحاب الرائے تفسیر قرآن کے ساتھ ساتھ یہ مسائل بھی زیر بحث لائے۔ مثلاً فخر الدین رازی کی تفسیر "مفاتیح الغیب" جہاں تفسیر و تشریح کے تقاضے پورے کرتی ہے وہاں اس دور کے فکری اور عقلی رجحانات کی نشاندہی بھی کرتی ہے۔

بنو عباس کے عہد کی چند ایک مشہور تفاسیر بالرائے حسب ذیل ہیں:

1. مفاتیح الغیب از فخر الدین رازی
2. انوار التنزیل واسرار التاویل امام بیضادی
3. البحر المحیط ابو حیان
4. احکام القرآن قاضی ابو اسحاق اسماعیل بن اسحاق
5. لباب التأويل في معاني التنزيل (تفسیر الخازن) از امام ابو الحسن علی بن محمد - المعروف الخازن
6. تفسیر کشاف از علامہ ابو القاسم محمود بن عمرو بن احمد خوارزمی زَمَخْشَری جار اللہ المعروف علامہ زمخشری

اس کے علاوہ مفسرین نے فقہی اور کلامی تفاسیر بھی لکھیں۔ مثلاً "احکام القرآن" جو امام جصاص کی نہایت اہم کتاب ہے۔ میں انہوں نے صرف ان آیات کی تفسیر لکھی ہے جن میں احکام موجود ہیں۔ اسی طرح امام ابو الحسن اشعری کی "تفسیر اشعری" جس میں انہوں نے مختلف باطل قوتوں کے عقائد کو رد کیا۔

علم الحدیث:

اموی عہد میں حضرت عمر بن عبد العزیز نے تدوین حدیث کا کام شروع کرایا۔ اس سلسلے میں ابن شہاب زہری نے بہت کام کیا۔ تاہم اس باب میں کثرت سے جو کام ہوا اس کا تعلق بنو عباس سے ہے۔

علماء و محدثین نے احادیث کے سلسلے میں یہ بات خاص طور پر پیش نظر رکھی کہ احادیث مستند ہوں، ان کا راوی جھوٹا نہ ہو، روایت کا سلسلہ (اسناد) کسی جگہ ٹوٹتا نہ ہو، سند متصل ہو وغیرہ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ احادیث کی تدوین کے ساتھ ساتھ ایک نیا علم ''اسماء الرجال'' بھی وجود میں آگیا۔ اس کی بدولت راویوں کی زندگی اور ان کے اخلاق و عادات کی تحقیق ہوئی جس سے احادیث کا ایسا محفوظ اور مستند سرمایہ جمع ہو گیا جو اس سے پہلے نہیں تھا۔

عہد عباسیہ میں دوسری صدی ہجری میں جن محدثین نے یہ کام شروع کیا، ان میں سفیان ثوری، مالک بن انس، سفیان بن عیینہ، امام اوزاعی اور عبد اللہ بن مبارک کے اسماء گرامی شامل ہیں۔

تدوین حدیث کے سلسلے میں آپ دیکھیں گے کہ دوسری صدی ہجری کی نسبت تیسری صدی ہجری میں زیادہ کام ہوا، اسی زمانے میں عبید اللہ بن موسیٰ بغدادی، مسدد بن مسرید بصری، اسد بن موسیٰ الاموی، نعیم بن حماد الخزاعی، امام احمد بن حنبل، اسحاق بن راھویہ، عثمان بن ابی شیبہ، احمد بن منیع اور احمد بن عمر ابو بکر البزاز نے کتب حدیث تحریر کیں۔

تیسری صدی ہجری کی وہ مشہور کتابیں جن کا شمار کتب احادیث کی امہات میں ہوتا ہے، حسب ذیل ہیں:

1. صحیح بخاری از محمد بن اسماعیل بخاری
2. صحیح مسلم از مسلم بن الحجاج قشیری
3. جامع ترمذی از محمد بن عیسیٰ ترمذی
4. سنن ابو داؤد از ابو داؤد سلیمان بن اشعث
5. سنن نسائی از احمد بن شعیب نسائی
6. سنن ابن ماجہ از محمد بن یزید ابن ماجہ

علم فقہ:

فقہ شرعی قوانین کے علم کا نام ہے جو ان کے تفصیلی دلائل (قرآن، سنت، اجماع، قیاس) سے حاصل ہو۔

عہد رسالت میں علم فقہ کو مدون کرنے کی ضرورت نہ تھی کیونکہ ہر معاملے میں راہنمائی کے لیے حضور ﷺ کی ذات اقدس موجود تھی۔ عہد صحابہ کرامؓ میں صحابہ کرامؓ سماجی یا معاشی مسائل میں حل بیان کر دیتے ہیں لیکن جب تابعین اور تبع تابعین کا عہد آیا تو بہت سی تبدیلیاں بھی آ گئیں۔ سلطنت اسلامی کی حدود ایشیاء، افریقہ اور یورپ تک وسیع ہو گئی۔ معاشرے میں عجمی اور رومی تمدن بھی آ گیا۔ جس سے معاشی اور معاشرتی زندگی میں بہت سی تبدیلیاں پیدا ہو گئیں اور نت نئے مسائل پیدا ہوئے۔ معاشرت، تجارت، معاملات، اور ملکی انتظام سب بہت وسیع اور پیچیدہ شکلیں اختیار کر گئے۔ مفتوحہ ممالک کے مختلف مسائل، جزیہ اور خراج کے معاملات اور اس طرح بہت سے مسائل تھے جو اسلامی احکام کے منتظر تھے، لہذا اس دور کی ایک بڑی ضرورت فقہ کی تدوین تھی، چنانچہ خلافت عباسیہ میں فقہ کی تدوین کا کام شروع ہوا۔ اس عہد میں سب سے پہلے فقہ پر کام کرنے والے امام اعظم نعمان بن ثابت ابو حنیفہ ہیں۔ فقہ کے سلسلے میں چار بڑے نام امام مالکؒ، امام ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ، اور امام احمد بن حنبلؒ کے ہیں۔ ان ائمہ اربعہ نے عہد عباسیہ میں ضروریات کے لحاظ سے فقہ اسلامی مدون کیا۔ انہوں نے فقہی مسائل کی تدوین اور مسائل کے استنباط میں جو محنت کی اس کے نتیجے میں فقہ اسلامی مدون ہوئی۔ اس عہد میں اہل سنت کے فقہاء کے دو بڑے گروہ بھی وجود میں آئے۔ اہل عراق نے کثرت کے ساتھ قیاس سے کام لیا جس میں انہیں بصیرت و مہارت حاصل تھی، اس لئے انہیں "اہل الرائے" کہا جاتا تھا۔ اہل الرائے کی وہ جماعت جس نے ایک مستقل فقہی مذہب کے طور پر نشوونما پائی اور پھر ایک باقاعدہ فقہی مذہب رواج پذیر ہوا، اس کے پیشوا امام ابو حنیفہ تھے دوسرا گروہ "اہل الحدیث" کے نام سے معروف تھا اور اس طریق فقہ کے رہنما امام مالک بن انسؒ تھے۔

ان آئمہ اربعہ نے فقہ کی ایسی بنیادیں قائم کیں اور ایسے اصول مرتب کر دیئے جن سے بعد میں پیش آنے والے مسائل اور مشکلات حل کرنے میں مدد لی جاتی رہی اور رہے گی۔

امام ابو حنیفہؒ کا رہتی دنیا تک قائم رہنے والا کارنامہ فقہ اسلامی کی تدوین ہے، آپ نے اسلامی فقہ کی تدوین کے کام کو باقاعدہ اور باضابطہ طریقے سے سرانجام دیا اور اس مقصد کیلئے آپ نے ایک مجلس قائم کی جس میں مسائل پر تفصیلی بحث کے بعد اس کا کوئی حل دریافت کیا جاتا۔ خوارزمی نے امام ابو حنیفہؒ کی مجلس کے مرتب کردہ مسائل کی تعداد 83 ہزار بتائی ہے۔ مسائل میں سے 38,000 کا تعلق عبادات سے اور 45,000 کا معاملات سے ہے جن میں زندگی کے تقریباً ہر شعبہ حیات سے متعلق مسائل شامل ہیں۔ امام ابو حنیفہ کے شاگردوں نے بھی اس سلسلے میں بہت کام کیا۔ آپ کے ایک ممتاز شاگرد امام ابو یوسف ہیں۔ انہوں نے جزیہ و خراج کے مسائل کے متعلق مشہور کتاب ''الخراج'' لکھی جس میں آپ نے حکومت کے مالیاتی اور محصولاتی معاملات کو بیان کیا ہے، دوسری کتاب ''اختلاف ابن ابی لیلی'' اور تیسری کتاب ''الرد علی سیر الاوزاعی'' ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کے ایک اور شاگرد امام محمد بن حسن ہیں جن کی چھ کتابیں ''المبسوط''، ''جامع الکبیر''، ''جامع الصغیر''، ''السیر الکبیر''، ''السیر الصغیر'' اور ''زیادات'' بہت مشہور ہیں۔ ان کے بعد فقہ حنفی پر دور بنو عباس میں احمد بن عمر خصاف نے ''الاسفاف فی احکام الاوقاف'' احمد بن قدوری نے ''مختصر القدوری''، سرخسی نے ''مبسوط''، ابو بکر بن مسعود کاسانی نے ''البدائع'' اور علی بن ابی بکر مرغینانی نے ''بدایۃ شرح ہدایۃ المبتدی'' تصنیف کی جو حنفی کی اشاعت کا باعث بنیں۔

امام ابو حنیفہؒ کے بعد امام شافعی دوسرے بڑے امام ہیں۔ ان کی فقہ ''فقہ شافعیہ'' کہلاتی ہے۔ انہوں نے خود بھی اس موضوع پر کتابیں لکھیں جن میں ''کتاب الام''، ''رسالۃ فی ادلۃ الاحکام''، ''کتاب اختلاف الحدیث'' اور ''مسند امام شافعی'' بہت مقبولیت کی حامل ہیں۔

فقہ شافعیہ کی مشہور کتب جو عہد بنی عباس میں لکھی گئیں حسب ذیل ہیں:

امام مزنی کی ''الجامع الکبیر''، ''الجامع الصغیر''، ''مختصر المزنی''، ''المنثور''، الماوردی کی ''الاحکام السلطانیہ''، امام غزالی کی ''الوجیز'' اور امام نووی کی ''المنہاج''۔

امام مالک بن انسؒ فقہ مالکیہ کے بانی ہیں۔ انہوں نے فقہ کی طرز پر ابواب قائم کر کے اپنی کتاب ''موطا'' لکھی جو حدیث کا بہترین مجموعہ ہے۔ آپ کے شاگردوں میں اسد بن الفرات، عبد السلام التنوحی عرف سخنون، عبد الرحمان بن قاسم، عبد اللہ بن دھب اور اشہب بن عبد العزیز ہیں جنہوں نے فقہ مالکی پر کام کیا۔ ان سب کا تعلق عہد بنو عباس سے تھا۔

امام احمد بن حنبلؒ فقہ حنبلی کے بانی تھے۔ آپ نے حدیث کی کتاب ''مسند احمد'' تالیف کی۔ فقہ حنبلی پر ابو بکر الاثرم نے ''السنن فی فقہ'' ابو القاسم خرقی نے ''المختصر'' اور ابن قدامہ نے ''المغنی'' لکھیں۔ غرض ان ائمہ اربعہ اور ان کے شاگردوں کی کوششوں کی وجہ سے عملی زندگی میں ایک نظم اور وحدت پیدا ہو گئی۔

علم الکلام:

علم الکلام ایک اہم اسلامی علم ہے، جس کا مقصد عقائد کی حقانیت کو عقل و دلائل کے ذریعے ثابت کرنا ہے۔ یہ علم عہد رسالت اور عہد صحابہ میں موجود نہیں تھا، بلکہ اس کا آغاز بنو امیہ کے دور میں ہوا، اور اسے ترقی عہد عباسی میں ملی۔ اس دور میں مسلمانوں کا یونانی علوم و فلسفے سے تعارف ہوا، جس نے مختلف مباحث کو جنم دیا، جیسے اللہ کی صفات، کلام الٰہی، اور تقدیر وغیرہ۔

علم الکلام کے ابتدائی رہنما امام ابو الحسن اشعری تھے، جنہوں نے معتزلی عقائد کے مقابلے میں ایک معتدل مسلک پیش کیا۔ انہوں نے کتاب و سنت کے حقائق کو عقلی دلائل سے ثابت کیا اور کئی اہم کتابیں لکھیں۔ امام غزالی نے بھی اس علم کی ترقی میں اہم کردار ادا کیا، خاص طور پر فلسفے کے خلاف اپنے کاموں کے ذریعے۔

علم تاریخ:

عربی زبان میں علمی تاریخ نویسی کی ابتدا عہد رسالت ﷺ سے ہوتی ہے، جہاں سیرت اور غزوات کے مطالعے پر توجہ دی گئی۔ ابتدائی طور پر یہ علم احادیث میں ملتا ہے، خاص طور پر ان غزوات کے حوالے سے جو حضرت محمد ﷺ نے کیے۔ بنو امیہ کے دور میں علم مغازی کی بنیاد رکھی گئی، مگر اس علم کو حقیقی ترقی عہد عباسی میں ملی۔

دوسری صدی ہجری میں محمد بن اسحاق نے "السیرۃ والمبتداء والمغازی" لکھی، جو تاریخ نویسی میں ایک اہم سنگ میل ثابت ہوئی۔ اس کے بعد محمد بن عمر واقدی نے "کتاب المغازی" تحریر کی، جس میں واقعات کی تاریخیں متعین کرنے کا التزام کیا۔ ان کے تلامذہ میں محمد بن سعد شامل تھے، جنہوں نے "تاریخ اسلام" اور "الطبقات" جیسی کتابیں لکھیں۔

تیسری صدی ہجری میں ابو حنیفہ دینوری اور احمد بن یحییٰ البلاذری جیسے مؤرخین نے بھی اہم کتب تحریر کیں۔ امام طبری نے "تاریخ الرسل والملوک" لکھی، جو 303 ہجری تک کے حالات وواقعات کا احاطہ کرتی ہے۔

چوتھی صدی ہجری میں مسعودی اور ابن مسکویہ جیسے مؤرخین نے تاریخ نویسی کو مزید ترقی دی۔ مسعودی کی "اخبار الزمان" اور ابن مسکویہ کی "تجارت الامم فی تعاقب الہمم" قابل ذکر ہیں۔

چھٹی صدی ہجری کے مشہور مؤرخ ابن اثیر نے "الکامل فی التاریخ" لکھی، جس میں عالم اسلام کی ابتدائی چھ صدیاں بیان کی گئی ہیں۔

عہد بنو عباس میں سائنسی علوم میں ترقی:

عباسی دور کو اسلامی دنیا میں سائنس اور علم کی ترقی کا سنہری دور کہا جاتا ہے۔ اس دور میں مسلمان سائنسدانوں نے مختلف شعبوں مثلاً طب، کیمیا، فلکیات، ریاضی اور جغرافیہ میں نمایاں کام کیا۔ انہوں نے یونانی فلسفے اور سائنس کا عربی زبان میں ترجمہ کیا اور اس پر مزید تحقیق کر کے اسے نئی بلندیوں پر پہنچایا۔ عباسی حکمرانوں نے سائنسدانوں کو بھرپور حوصلہ دیا جس کی وجہ سے اس دور میں سائنسی علوم میں بہت ترقی ہوئی۔

خود آزمائی

1. بنو امیہ کے دور میں خلافت کی شکل کس طرح اسلامی ریاست کے لیے ایک نئے دور کا آغاز ثابت ہوئی؟
2. حضرت امیر معاویہؓ نے خلافت کو ایک مضبوط ادارہ بنانے کے لیے کیا اقدامات کیے؟
3. یزید بن معاویہ کے دور میں کربلا کا واقعہ کیوں پیش آیا اور اس کے کیا نتائج برآمد ہوئے؟
4. عبدالملک بن مروان نے عربی زبان کو سرکاری زبان بنانے کا فیصلہ کیوں کیا اور اس کے کیا اثرات مرتب ہوئے؟
5. بنو امیہ کے دور میں سائنس دانوں نے کون سے اہم کام کیے اور ان کے کاموں کا آج کے دور پر کیا اثر ہے؟

یونٹ نمبر6

سپین، مصر اور شمالی افریقہ کی مسلم حکومتیں

فہرست عنوانات

یونٹ کا تعارف: 137

یونٹ کے مقاصد: 137

1 سپین میں مسلمانوں کا عروج وزوال: 138

1.1 عبدالرحمن الداخل (138ھ تا 172ھ بمطابق 756ء تا 788ء) 139

1.2 ہشام بن عبدالرحمن (172ھ تا 180ھ بمطابق 788ء تا 796ء) 135

1.3 الحکم اوّل (180ھ تا 206ھ بمطابق 796ء تا 822ء) 142

1.3.1 وفات اور کارنامے: 143

1.4 عبدالرحمن ثانی (206ھ تا 238ھ بمطابق 822ء تا 852ء) 143

1.4.1 سیرت اور کارنامے: 143

1.5 محمد اوّل (238ھ تا 273ھ بمطابق 852ء تا 886ء) 144

1.6 منذر بن محمد (273ھ تا 275ھ بمطابق 882ء تا 888ء) 144

1.7 عبداللہ بن محمد (275ھ تا 300ھ بمطابق 888ء تا 913ء) 145

1.8 عبدالرحمن ثالث (300ھ تا 350ھ بمطابق 913ء تا 961ء) 145

1.8.1 پالیسیاں اور کارنامے: 145

1.9 الحکم ثانی (350ھ تا 366ھ بمطابق 961ء تا 976ء) 146

1.10 ہشام ثانی (366ھ تا 399ھ بمطابق 976ء تا 1008ء) 146

1.11 اموی خلافت کا زوال اور ملک میں طوائف الملوکی: 147

خود آزمائی: 152

یونٹ کا تعارف

سپین براعظم یورپ کا ایک جزیرہ نما ہے، یہ علاقہ بنو امیہ کے عہد میں شمالی افریقہ کے گورنر موسیٰ بن نصیر کی ہدایات پر اس کے ایک سالار طارق بن زیاد کے ہاتھوں فتح ہوا، بنو امیہ کے زوال کے بعد ایک اموی شہزادہ عبد الرحمن فرار ہو کر یہاں پہنچا اور کسی طرح ایک آزاد حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ عبد الرحمن کے بعد اس کی اولاد میں سے عبد الرحمن ثانی، عبد الرحمن ثالث اور الحکم ثانی نے اپنی محنت، قابلیت، صلاحیت اور عزم و حوصلے سے اپنی حکومت کو شہرت کی بلندیوں تک پہنچا دیا۔ لیکن افسوس کہ بعد کے حکمرانوں کی نااہلی اور اپنوں ہی کی غداری کی وجہ سے سپین سے مسلمانوں کو اس طرح نکلنا پڑا کہ وہاں ایک بھی مسلمان باقی نہ رہا۔ سپین کی تاریخ، مسلمان قوم کے عروج و زوال کی مکمل داستان ہے۔ اس یونٹ میں آپ عہد بنو عباس کے دوران مصر اور شمالی افریقہ میں قائم ہونے والی خود مختار حکومتوں یعنی دولت ادریسیہ، دولت اغلبیہ، دولت طولونیہ، دولت عبیدیہ اور مصر کی عباسی حکومت اور ان کے عروج و زوال کا بھی جائزہ لیں گے۔

یونٹ کے مقاصد

امید ہے کہ اس یونٹ کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ یہ جائزہ لے سکیں:

1. مسلمانوں نے اندلس پر کس طرح قبضہ کیا اور وہاں اپنی ایک نئی ریاست کیسے قائم کی۔
2. اندلس میں اموی خلافت کے عروج کا دور کیسا تھا، اور یہ کہ اس دور میں اندلس ایک علمی، ثقافتی اور اقتصادی مرکز کے طور پر کیسے ابھرا۔
3. اندلس میں مسلمانوں نے علوم، فنون اور ثقافت کے مختلف شعبوں میں کس طرح اہم شراکتیں کیں نیز اندلس کے مسلمانوں نے دنیا کو فلسفہ، ریاضی، طب اور موسیقی جیسے شعبوں میں نئے نظریات اور ایجادات سے کیسے متعارف کرایا۔
4. اندلس میں مسلمانوں کے اقتدار کے زوال کے اسباب کیا تھے اور اندلس میں مختلف سیاسی، سماجی اور اقتصادی عوامل نے مسلمانوں کی حکومت کو کیسے کمزور کیا اور آخر میں ان کا اقتدار کیسے ختم ہو گیا۔
5. اندلس کے مسلمانوں نے ایک عظیم تہذیب کیسے قائم کی جو آج بھی دنیا کے لیے ایک مثال ہے۔ اندلس کی تہذیب نے مغرب اور مشرق دونوں کو بہت کچھ دیا۔

1- سپین میں مسلمانوں کا عروج وزوال

اموی خلیفہ ولید بن عبد الملک کے عہد میں طارق بن زیاد اور موسیٰ بن نصیر نے سپین کو فتح کر لیا تھا۔ موسیٰ بن نصیر کو جب خلیفہ کی طرف سے حکم ملا کہ طارق بن زیاد کو ساتھ لے کر واپس شام آجائے تو اس نے قرطبہ کو سپین کا دارالحکومت قرار دے کر اپنے بیٹے عبد العزیز کو وہاں کا حاکم بنا دیا۔

چنانچہ عبد العزیز کو پہلا امیر اندلس کہا جاتا ہے۔ امیر عبد العزیز کے بعد اندلس کے حاکم یکے بعد دیگرے کبھی دربار خلافت سے، کبھی ممالکِ مغربیہ کے والی کے دربار اور کبھی مسلمانان اندلس کے انتخاب سے مقرر ہوتے رہے۔ اندلس کے ان حاکموں کو امیرانِ اندلس کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

بد قسمتی سے اندلس میں ابتداً ہی سے اندرونی خلفشار نے سر اٹھالیا۔ اس کی وجہ دراصل عربوں اور بربریوں کی باہمی مناقشت تھی۔ طارق بن زیاد کے ہمراہ زیادہ تر شمالی افریقہ کے بربر قبائل آئے تھے مگر ان کی فتوحات کا ثمرہ موسیٰ بن نصیر کے عرب قبائل نے اچک لیا، بربریوں کو اندلس کا پہاڑی اور غیر زرخیز علاقہ حفاظت کے لئے تفویض کر دیا گیا، اس طرزِ عمل نے اندلس میں عربی اور بربریوں کے درمیان نفاق اور جنگ کا وہ سدا بہار بیج بو دیا جو بالآخر مسلمانوں کے سپین سے اخراج پر منتج ہوا۔

اموی خلفائے بغداد نے بھی اندلس کے معاملات میں براہِ راست زیادہ دلچسپی نہ لی، نتیجہ یہ ہوا کہ اندلس افریقہ کے صوبے کا ایک انتظامی یونٹ بنا رہا۔ افریقہ کا گورنر اپنی مرضی اور بعض اوقات خلیفہ بغداد کو اطلاع کئے بغیر ہی اندلس میں حکمران مقرر کر دیتا تھا۔ اس دو عملی سے اندلس کا نظم ونسق بالکل تباہ ہو گیا تھا۔

علاوہ ازیں عرب قبائل کی باہمی رقابتیں بھی از سر نو ابھر آئیں، مصری اور یمنی قبائل کی باہمی دشمنی نے معاملات کو اور بگاڑ دیا اور ملک صحیح معنوں میں بد نظمی اور بد امنی کا اکھاڑہ بن گیا۔ عربوں کے قبائلی مناقشات نے ایسی بھیانک صورت اختیار کر لی کہ جب عبد الرحمن اموی جان بچا کر شمالی افریقہ پہنچا تو وہ مٹھی بھر بربریوں کی مدد سے اندلس کی شامی حکومت کو شکست دے کر چند سالوں میں پورے اندلس پر قابض ہو گیا۔

1.1-عبدالرحمن الداخل(138ھ تا172ھ بمطابق756ء تا788):

132ھ میں جب بنوعباس نے دمشق کی اموی حکومت کا تختہ الٹ دیا اور شاہی خاندان کے افراد کو چن چن کر قتل کیا گیا تو بنوعباس کے دستِ انتقام سے جو چند اموی اشراف بچ گئے۔ انہی میں عبدالرحمن نامی ایک بیس سالہ نوجوان بھی تھا، جو دسویں اموی خلیفہ ہشام بن عبدالملک کا پوتا تھا۔ قدرت نے اس نوجوان کو غیر معمولی صلاحیت اور ذہانت عطا کی تھی' یہ عباسی سپاہ سے بچتا ہوا اور پانچ سال تک قبیلہ در قبیلہ پھرتا ہوا شمالی افریقہ جا پہنچا۔ اس کی ماں چونکہ قیوطہ کے بربری قبیلہ نفزہ کی ایک عورت تھی جس کی وجہ سے بربر قبائل نے اسے اپنی پناہ میں لے لیا اور اسے ہر قسم کے تعاون کا یقین دلایا۔

اندلس کے جنوب میں دمشق کی شامی فوجیں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھیں۔ عبدالرحمن نے ان شامی فوجوں میں اتنا اثر ورسوخ پیدا کر لیا کہ آخر کار انہوں نے عبدالرحمن کو اپنا امیر بنالیا۔ اس کی قیادت میں یہ فوجیں جنوبی اندلس کے تمام شہروں پر یکے بعد دیگرے قبضہ کرتی چلی گئیں اور کئی سالوں کی مسلسل جدوجہد کے بعد تقریباً پورے ملک پر عبدالرحمن کا قبضہ ہو گیا۔ اب عبدالرحمن الدخل نے عباسی خلیفہ کا نام خطبے سے نکال دیا اور ایک آزاد اموی ریاست کی بنیاد رکھی' اس نے اپنے لئے خلیفہ کے بجائے امیر کا لقب پسند کیا۔ عبدالرحمن نے بربریوں کی مدد سے اندلس کو فتح کیا تھا چنانچہ اس نے بربریوں کی ایک منظم فوج تیار کی اور ان کے ساتھ بڑی فیاضی سے سلوک کیا، اس طرح بربر قبائل اس کے جانثار بن گئے۔

عبدالرحمن کو بار بار مختلف بغاوتوں سے دوچار ہونا پڑا۔ عباسی حکمران اپنے ایجنٹوں کے ذریعہ بربروں اور عربوں کو عبدالرحمن کے خلاف اکساتے تھے۔ چونکہ عبدالرحمن اندلس میں اجنبی تھا اور کوئی خاص قبیلہ یا گروہ اس کی حمایت پر نہیں تھا اس وجہ سے یہ سادہ لوح عرب اور بربر عباسیوں کے ایجنٹوں کے جھانسے میں آجاتے اور علم بغاوت بلند کر دیتے تھے۔ ان باغیوں میں سرفہرست یوسف الفہری سابق امیر اندلس کا نام آتا ہے جو اپنا کھویا ہوا وقار حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اس نے اپنے یمنی قبائل کو ساتھ لے کر اشبیلیہ پر حملہ کر دیا لیکن سن 756-58ء میں مصارہ اور لکسہ پر اسے پے درپے شکستیں ہوئیں۔ اس کے بعد اس کے ساتھی اس سے علیحدہ ہو گئے اور انہوں نے یوسف کو قتل کر کے اس کا سر عبدالرحمن کو پیش کر دیا۔

عباسی خلیفہ منصور کو جب یہ معلوم ہوا کہ عبد الرحمن نے اس کا نام خطبہ جمعہ سے خارج کر کے اپنی آزادی کا اعلان کر دیا ہے، تو اس نے اپنے افریقی سپہ سالار علاء بن مغیث کو ہدایت کی کہ وہ اندلس پر چڑھائی کرے۔ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر یوسف بن عبد الرحمن کے ایک عزیز ہاشم بن عبد اللہ خیری نے جو شہر طلیطلہ کا رئیس تھا، بربریوں کو لالچ دے کر اپنے ساتھ ملالیا اور علاء بن مغیث کے ساتھ مل کر اندلس پر حملہ کر دیا۔ عبد الرحمن کو اب دو محاذوں پر لڑنا پڑ رہا تھا، لیکن اس نے میدانِ جنگ میں علاء بن مغیث کو شکست فاش سے دوچار کیا اور دشمن کے بڑے بڑے سرداروں اور سپہ سالار کے سر خلیفہ منصور کے پاس بھیج دیئے۔ اس مہم سے فارغ ہو کر عبد الرحمن نے باغیانِ طلیطلہ کا قلع قمع کیا اور بعد میں یمنیوں کی ایک بغاوت کو فرو کیا۔

عبد الرحمن کا ایک قابلِ ذکر مخالف گروہ ان عیسائیوں کا تھا جنہوں نے جبل البرکات میں ایسٹریاس کی ایک چھوٹی سی ریاست قائم کر لی تھی۔ عبد الرحمن کی مصروفیت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہاں کے حکمران فرڈی نینڈ نے مسلمانوں پر پے در پے حملے شروع کر دیئے اور جنوبی فرانس کے وہ علاقے جن پر مسلمانوں نے قبضہ کیا ہوا تھا واپس چھین لئے۔

777ء میں فرانس کے بادشاہ شارلیمان نے ایسٹریاس کی حکومت اور اندلس کے باغی سرداروں ابو الاسود بن یوسف الفہری، عبد الرحمن بن حبیب اور برشلونہ کے گورنر سلیمان بن یقظا الاعرابی کو اپنے ساتھ ملا کر سپین پر حملے کا منصوبہ بنایا۔ جب شارلیمان جبل البرانس سے گزر کر سپین میں داخل ہوا تو باغی عرب سرداروں میں دیرینہ تعصب کی بنا پر پھوٹ پڑ گئی۔ سلیمان اور عبد الرحمن بن حبیب کی مناقشت یہاں تک بڑھی کہ ابنِ حبیب مارا گیا۔ ادھر شارلیمان جب کچھ شمالی علاقوں کو فتح کرتا ہوا سرقسطہ تک پہنچا تو شہریوں نے اس کا زبردست مقابلہ کیا اور اپنے گورنر حسین بن یحییٰ انصاری کی قیادت میں اسے بری طرح شکست دی۔ اسی اثناء میں فرانس میں سیکسنوں کی بغاوت کی خبر نے شارلیمان کو اور بھی پریشان کر دیا اور اس نے ناکام واپس جانے کی ٹھانی اور جاتے وقت سلیمان الاعرابی کو غدار سمجھ کر پکڑ لیا۔ اس پر سلیمان کے بیٹوں نے اس کی فوج کے عقب پر حملہ کر کے اپنے باپ کو رہا کرا لیا۔ ساتھ ہی بسکنس کے لوگوں نے رونسیو وکی تنگ گھاٹی میں ایسا دھاوا بولا کہ فرانسیسی فوج بالکل تباہ ہو گئی۔ بعد ازاں عبد الرحمن خود فرانسیسیوں کے تعاقب میں جنوبی فرانس تک گیا اور کئی قلعوں کو مسمار کر ڈالا۔ آخر کار شارلیمان نے عبد الرحمن سے صلح کر لی۔

عبد الرحمن کو علم و ادب کی اشاعت کا خاص طور پر شوق تھا، وہ لوگوں میں علم کا شوق پیدا کرنے کے لئے مشاعرے اور مناظرے کی مجالس قائم کرتا اور خود بھی ان میں شریک ہوتا تھا۔ اس نے مختلف ممالک سے علماء و فضلاء کو سپین بلایا اور ان کی خوب قدر دانی کی۔

عبد الرحمن نے ہر جگہ مساجد اور رفاہِ عامہ کی عمارات تعمیر کرائیں، دارالحکومت قرطبہ کی شان و شوکت بڑھانے کے لئے اس نے خوبصورت عمارات بنانے میں زیادہ توجہ صرف کی۔ شہر میں صاف پانی پہنچانے کے لئے ایک تالاب کھدوایا۔ شہر کے اطراف میں ایک فصیل تیار کرائی اور شام کے اپنے ایک آبائی محل کے نمونہ پر اپنے لئے شہر قرطبہ کے باہر ایک قلعہ تعمیر کرایا۔ اس نے ملک میں سڑکوں کا جال بچھایا، ڈاک کا بہترین انتظام کیا، ہر پڑاؤ پر گھوڑے رکھے تاکہ ملک کے ہر حصہ سے جلد از جلد اطلاعات دارالخلافہ پہنچ سکیں۔

عبد الرحمن نے اپنی وفات سے دو سال پہلے 786ء میں مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ کے نمونے پر قرطبہ کی جامع مسجد بنوانی شروع کی۔ اس مسجد کی تکمیل اور توسیع اس کے جانشینوں نے کی اور بہت جلد یہ مسجد مغرب میں اسلام کی مشہور عبادت گاہ بن گئی۔

1.2- ہشام بن عبد الرحمن (172ھ تا 180ھ بمطابق 788ء تا 796ء):

عبد الرحمن کی وفات کے بعد اس کا لڑکا ہشام 33 سال کی عمر میں سپین کا امیر مقرر ہوا۔ اس کے دو بھائیوں سلیمان اور عبد اللہ نے اس کے انتخاب کو تسلیم نہ کیا اور بغاوت کر دی۔ وہ ہشام کے مقابلہ میں آئے مگر یکے بعد دیگرے دونوں بھائیوں کو شکست ہوئی، مجبوراً انہوں نے معافی کی درخواست کی۔ ہشام نے ان کی خطا معاف کر کے ان کے ساتھ عزت و تکریم کا برتاؤ کیا۔

بھائیوں کی بغاوت سے فارغ ہو کر ہشام نے جنوبی فرانس پر حملہ کیا اور تمام جنوبی فرانس اور شہر ناربون' جو عرصہ تک صوبہ بونیہ کے مسلمان گورنر کا دارالحکومت رہ چکا تھا' دوبارہ فتح کر لیا۔ واپسی پر ایسٹریاس کے عیسائیوں نے مسلمانوں کی فوج کے عقبی حصے کو لوٹنے کی کوشش کی جس پر ہشام نے اپنے وزیر یوسف بن بخت کو ان کی سرکوبی کے لئے بھیجا۔ ایسٹریاس کے عیسائی مسلمانوں کے حملے کی تاب نہ لا سکے اور ان کا حاکم گرفتار کر لیا گیا اور اداءِ خراج کے وعدے پر یہ علاقہ اسی کو واپس کر دیا کیونکہ اس علاقہ کو مسلمانوں نے اپنی سکونت کے لائق نہیں پایا تھا۔

سلطان ہشام نے مسجدِ قرطبہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کا خاص اہتمام کیا۔ جنوبی فرانس اور عیسائی صوبوں سے جو مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا تھا اس میں سے تقریباً 45 ہزار اشرفیاں اس کی تعمیر پر خرچ کیں۔

ہشام کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے سپین میں عربی کو لازمی قرار دیا جس کی وجہ سے نہ صرف اسلام کی اشاعت میں بڑی مدد ملی بلکہ چند ہی سالوں میں سپین کی مقامی عیسائی آبادی نے مسلمانوں کے افکار، طرزِ معاشرت اور تہذیب و تمدن کو اختیار کر لیا اور مسلمانوں کے عیسائی آبادی سے قریبی تعلقات قائم ہو گئے۔

ہشام نے اپنے عہد میں مالکی فقہ کو ریاستی قانون کی بنیاد قرار دیا۔ وہ امام مالکؒ سے بہت متاثر تھا اور امام مالکؒ بھی ہشام کی بڑی قدر و منزلت کرتے تھے۔ سلطنتِ عباسیہ کی حدود میں رہنے کے باوجود وہ صرف ہشام کو خلیفۃ المسلمین ہونے کا مستحق گردانتے تھے کیونکہ وہ عباسی خلفاء کے برعکس نہایت ہی عابد و زاہد، عقلمند اور بہادر تھا۔ وہ سادہ لباس پہنتا تھا، غریبوں کی شکایات سنتا اور ان کے مصائب دور کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ ہشام نے سرکاری خزانہ سے ایسے افراد کے لئے وظائف مقرر کئے جو امام مالکؒ کی خدمت میں فقہ اور حدیث کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے جاتے تھے۔

1.3- الحکم اوّل (180ھ تا 206ھ بمطابق 796ء تا 822ء)

ہشام کے بعد اس کا بیٹا الحکم اول سپین کے تخت پر بیٹھا۔ مؤرخ ابنِ اثیر کے قول کے مطابق وہ صاحبِ علم و دانش اور باہمت حکمران تھا، مگر ساتھ ہی شان و شوکت کا دلدادہ، شکار کا شوقین، عیش و نشاط کی محفلوں کو پسند کرتا اور گویوں کو انعام و اکرام سے نوازتا تھا۔

حکم کو تخت پر بیٹھے ابھی تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ مراکش میں اس کے دونوں چچاؤں عبداللہ اور سلیمان نے اس کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا۔ اولاً عبداللہ نے سمندر کو عبور کر کے بلنسیہ پر قبضہ کیا اور پھر عبداللہ اور سلیمان دونوں مل کر حکم کے خلاف میدانِ جنگ میں اترے۔ لڑائی میں سلیمان مارا گیا جبکہ عبداللہ نے حکم کے پاس معافی کی درخواست بھیج دی جسے اس نے قبول کر لیا۔ 181ھ میں طلیطہ کے باشندوں نے بغاوت کی مگر حکم کے گورنر عمرو بن یوسف نے بڑی سختی سے باغیوں کی بیخ کنی کر دی۔ قرطبہ کے لوگوں نے بھی شورش برپا کی مگر اسے دبا دیا گیا۔

حکم کی مصروفیتوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے فرانسیسیوں نے سپین کی اسلامی مقبوضات پر دست دارزی شروع کر دی۔ شارلیمان نے حکم کے دشمنوں کی پشت پناہی کی مگر حکم نے عیسائیوں کو متعدد معرکوں میں شکست دے دی۔ بالآخر شاہِ فرانس شارلیمان کو اس سے صلح کا عہد نامہ کرنا پڑا۔

1.3.1-وفات اور کارنامے:

حکم نے 206ھ (822ء) میں وفات پائی۔ وہ اپنے عہد کا سخت گیر حکمران اور وہ پہلا شخص تھا جس نے سپین میں فوج کو منظم کیا۔ اس کے عہد میں اندلسی مسلمان اور عیسائی بکثرت آپس میں شادیاں کرتے تھے اور ایسے جوڑوں کی اولاد کو مولدین کہتے تھے۔ خالص عربی النسل لوگ اِن مولدین کو حقارت آمیز نظروں سے دیکھتے تھے اور انہیں حکومت کے اعلیٰ عہدوں پر فائز نہ ہونے دیتے تھے۔ حکم نے اس غیر اسلامی رجحان کو کم کرنے کی کوشش کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ دونوں گروہوں کی نظروں میں گر گیا۔

1.4- عبدالرحمن ثانی (206ھ تا238ھ بمطابق822ء852ء):

الحکم کی وفات کے بعد اس کا بیٹا عبدالرحمن ثانی تخت پر بیٹھا۔ اس کے عہد میں نارمن سپاہیوں نے سپین کے ساحلی مقامات پر لوٹ مار شروع کر دی مگر اسلامی بحری بیڑے اور بری فوج نے ان کی سرگرمیوں کا مناسب تدارک کیا۔ شاہِ فرانس کی شہ پر مریڈا اور ٹولیڈو کے عیسائیوں نے بھی شورشیں برپا کیں مگر انہیں سختی سے دبا دیا گیا۔

اسلام کے خلاف مسیحی تحریک کا آغاز اسی خلیفہ کے عہد میں ہوا۔ عبدالرحمن نے اسے نرمی سے دبانے کی کوشش کی مگر اسے کامیابی نہ ہوئی، نتیجتاً اسے بہت سے سرغنوں کو سخت سزائیں دینا پڑیں۔

1.4.1-سیرت اور کارنامے:

عبدالرحمن ثانی اپنے والد کے برعکس علوم وفنون کا دلدادہ تھا اور اکثر علماء وفضلاء کو اس کی سرپرستی حاصل تھی۔ موسیقی سے اسے خاص لگاؤ تھا، رفتہ رفتہ موسیقی سے دلچسپی سپین کے عربوں کی ثقافت کا حصہ بن گئی۔

عبدالرحمن ثانی کے عہد میں رعایا فارغ البال تھی، ملک بھر میں متعدد عالیشان محلات تعمیر کئے گئے، سڑکیں اور شاہرائیں تیار کی گئیں، ڈاک کا بہترین نظام کیا گیا اور مساجد، مدرسے اور شفاخانے بکثرت تعمیر ہوئے۔ ملک کے دفاعی انتظامات کو تکمیل تک پہنچانے کی خاطر اس نے ایک شاندار بحری بیڑہ تیار کیا اور قرطاجنہ اور قادیس کے مقامات

پر اسلحہ سازی کے کارخانے کھولے۔ عبد الرحمن کے عہد کی شاندار تہذیبی روایات اور عربوں کی خوش وضعی کے انداز دیکھ کر اہلِ یورپ نے بھی اپنے تہذیبی ڈھانچہ میں عربوں کا تہذیبی رنگ بھرا۔

1.5- محمد اوّل (238ھ تا 273ھ بمطابق 852ء تا 886ء):

عبد الرحمن ثانی کے بعد اس کا بیٹا محمد تخت پر بیٹھا۔ اس نے اندلس کی حکومت کو باقاعدہ اصولوں پر منظم کیا اور ملکی انتظامات کے لئے قواعد وضوابط مرتب کئے۔ اس نے ایسے منصب داروں کو معزول کیا جو دیندار نہ تھے اور ان کی جگہ متشرع لوگوں کو مقرر کیا۔

متعصب عیسائیوں اور باغیوں کے سلسلے میں اس نے باپ کی نرم روی کو ترک کر دیا۔ طلیطلہ کے لوگوں نے جب بغاوت کی تو اسے بڑی سختی سے دبایا گیا۔ سرحدی عیسائی شہزادوں اور شاہ فرانس کی شہ پر ملک میں خانہ جنگی کا سلسلہ شروع ہوا مگر محتاط طبیعت اور دانشمندی کے باعث سپین میں عربوں کی سلطنت پارہ پارہ ہونے سے بچ گئی اور ناخوشگوار حالات کے باوجود عوام کی حالت بہتر رہی۔ (886ء) میں محمد کا انتقال ہو گیا، اس کی معیادِ حکمرانی 34 سال اور کچھ ماہ تھی۔

محمد علوم و فنون کا سرپرست تھا، وہ خود ایک اچھا شاعر و خطیب تھا اور اس کا شمار اپنے زمانے کے بہترین خطاطوں میں ہوتا تھا۔ یہ اس کی بدقسمتی تھی کہ اس کا عہد مسلسل بدعنوانیوں اور مصائب کا دور بنا رہا۔ اندرونی بغاوتوں کے علاوہ ملک میں زلزلے، وباء اور قحط سالی کی بلائیں نازل ہوتی رہیں، مگر ان مصائب میں وہ نہ گھبرایا اور سلطنت کو روبہ تنزل ہونے سے بچانے کی سعی کرتا رہا۔

1.6- منذر بن محمد (273ھ تا 275ھ بمطابق 882ء تا 888ء):

امیر منذر اپنے باپ محمد کی وفات کے بعد چوالیس سال کی عمر میں تخت پر بیٹھا۔ چونکہ اس کی عمر جنگی معرکوں میں گزری تھی اس لئے اسے مہمات کا تجربہ تھا مگر اس کے عہد میں ملک کی حالت بہت بگڑ گئی۔ سرحدی عیسائیوں نے سرحدی قلعوں پر قبضہ کر لیا۔ ابن حفصون، جس نے محمد کے عہد میں بغاوت کی تھی، نے پھر سر اٹھایا اور جب منذر اس کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوا تو وہ قلعہ بند ہو کے بیٹھ گیا۔ ابھی حفصون سے کشمکش کا یہ سلسلہ جاری تھا کہ منذر کے سوتیلے بھائی عبد اللہ نے سازش کر کے اسے مروا ڈالا۔

1.7- عبداللہ بن محمد (275ھ تا300ھ بمطابق888ء تا913ء):

منذر کی کوئی اولاد نہ تھی اس لئے اس کے انتقال کے بعد اس کا بھائی عبداللہ بن محمد تخت پر بیٹھا۔ عبداللہ کے عہد میں ملک میں انتشار بہت پھیل گیا تھا، تخت نشین ہوئے اسے ابھی تین سال نہ ہوئے تھے کہ اندلس کے بہت بڑے حصے میں عرب امراء نے جابجا خود مختار ریاستیں قائم کرلیں 'لور قا اور سرقسطہ نے حکومتِ قرطبہ سے علیحدگی اختیار کرلی' بربری امراء نے سپین کے مغربی اور پرتگال کے جنوبی اضلاع پر قبضہ کرلیا اور سیاسی طور پر خود مختار ہوگئے اور سرحدی ڈاکو ابن حفصون نے غرناطہ کے پہاڑی علاقہ میں اپنی ریاست قائم کرلی۔

عبداللہ نے کل 24 برس حکومت کی اور 68 سال کی عمر میں انتقال کیا۔ اس کی حکومت کے ابتدائی پندرہ سالوں میں عیسائیوں نے جابجا شورشیں برپا کیں جس سے ملک میں عدمِ استحکام آیا مگر آخری سالوں میں تجارت، زراعت اور صنعت کو فروغ حاصل ہوا۔

1.8- عبدالرحمن ثالث (300ھ تا350ھ بمطابق913ء تا961ء):

عبداللہ نے اپنے تمام بیٹوں کی موجودگی میں اس بات کا اعلان کیا تھا کہ اس کی وفات کے بعد اس کا جانشین اس کا پوتا عبدالرحمن ہوگا۔ چنانچہ عبداللہ کی وفات کے بعد عبدالرحمن اکیس سال کی عمر میں تخت پر بیٹھا۔

1.8.1- پالیسیاں اور کارنامے:

تخت نشین ہوتے ہی عبدالرحمن نے کئی ناجائز ٹیکس معاف کردیئے، اس نے اپنی پالیسی کی وضاحت کرتے ہوئے اعلان کیا کہ جو سرکش امراء فوراً ہتھیار ڈال کر حلفِ وفاداری اٹھالیں گے ان سے کوئی تعرض نہ کیا جائے گا۔ اس اعلان کے ہوتے ہی بہت سے عیسائی اور مسلمان قلعہ داروں، رئیسوں اور جاگیرداروں نے عبدالرحمن ثانی کی اطاعت قبول کرلی۔

اندرونی جھگڑوں کو رفع کرنے کے بعد سلطان عبدالرحمان گردونواح کی ریاستوں کی طرف متوجہ ہوا۔ سب سے پہلے اس نے ابن حفصون کی سرکوبی کی پھر ایک سال کی جنگ کے بعد ریاست طلیطلہ کی عیسائی ریاست کو فتح کرلیا۔ جب ابنِ حفصون مرگیا تو سیرانیا کے علاقہ کو عبدالرحمن نے اپنی قلمرو میں شامل کرلیا۔ ان دنوں جب مراکش میں ادریسی خاندان کے خاتمے پر بدامنی شروع ہوئی تو اس نے اپنا بحری بیڑہ روانہ کردیا جس پر مختلف سرداروں نے فوراً

عبد الرحمن کی سیادت کو قبول کر لیا اور یوں 919ء میں مراکش سپین کی اسلامی سلطنت کا ایک صوبہ بن گیا۔ سرقسطہ کے گورنر محمد بن ہشام نے عیسائی ریاستوں سے ساز باز کر کے بغاوت کی، مگر عبد الرحمن نے سب کو شکست دے کر محمد بن ہشام کو گرفتار کر لیا۔ جلیقیہ، لوار اور لیون کی عیسائی ریاستوں نے بھی سلطان کی عسکری قوت کا لوہا مان کر اس کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم کر لئے۔

فوجی کارناموں کے علاوہ عبد الرحمن نے علم و ادب کی بڑی سرپرستی کی، اس نے قرطبہ میں بے شمار مدارس قائم کئے جہاں طلباء کی رہائش اور خورد و نوش کے مصارف شاہی خزانے سے ادا کئے جاتے تھے۔ تفسیر، حدیث، فقہ، فلسفہ، طب اور ہیئت کے بے شمار عالم اس کے دربار کی زینت تھے۔ خلیفہ عبد الرحمن نے اپنے عہدِ حکومت میں بہت سی عمارتیں بنوائیں، بے شمار باغات لگوائے، کئی خوبصورت مساجد اور محلات تعمیر کرائے جن میں بعض عمارات اب تک موجود ہیں۔

1.9- الحکم ثانی (350ھ تا 366ھ بمطابق 961ء تا 976ء):

عبد الرحمن ثالث کی وفات کے بعد اس کا بیٹا حکم ثانی المستنصر باللہ کے لقب سے تخت نشین ہوا۔ وہ ایک عالم اور علم پرور حکمران تھا، اس کا علمی انہماک اس قدر تھا کہ اس کے بارے میں یہ غلط فہمی پیدا ہو گئی تھی کہ وہ تلوار کا دھنی نہیں ہے۔ چنانچہ لیون، نویرہ اور قشتالہ کے عیسائیوں نے صلح کے معاہدے توڑ کر جارحانہ کارروائیاں شروع کر دیں مگر حکم نے انہیں عبرتناک شکست سے دوچار کیا۔ اس طرح اس نے اپنی سپین قلمرو کو نہ صرف مستحکم کیا بلکہ اسے وسعت بھی دی۔ خلیفہ حکم ثانی 16 سال حکومت کرنے کے بعد 976ء میں انتقال کر گیا۔

1.10- ہشام ثانی (366ھ تا 399ھ بمطابق 976ء تا 1008ء):

حکم ثانی کی وفات کے بعد اس کا بیٹا ہشام ثانی گیارہ سال کی عمر میں تخت نشین ہوا۔ چونکہ یہ ابھی کمسن تھا اس لئے وزیر محمد بن ابی عامر اس کا سرپرست بنا مگر زیادہ مدت نہ گزری تھی کہ اس کی نیت بدل گئی اور وہ مخالف امراء کو قتل کر کے سیاہ و سفید کا مالک بن گیا۔ اس نے خلیفہ کو نظر بند کر دیا اور امراء و وزراء بڑی مشکل سے خلیفہ کی خدمت میں باریابی حاصل کر سکتے تھے۔ 394ھ میں حاجب المنصور کا انتقال ہو گیا اور اس کی جگہ اس کا بیٹا عبد الملک المظفر کے لقب سے حاجب بنا۔

1.11-اموی خلافت کا زوال اور ملک میں طوائف الملوکی:

عبد الملک نے اپنے والد منصور کے نقش قدم پر چلتے ہوئے سلطنت کے وقار کو چھ برس تک قائم رکھا، اس نے عیسائیوں کے خلاف آٹھ مرتبہ کامیابی سے جہاد کیا، علم و ادب کی سرپرستی کی اور ہر لحاظ سے اس نے اپنی انتظامی صلاحیتوں کا ثبوت دیا۔ 399ھ میں اس کی وفات کے بعد ہشام نے اس کے بھائی عبد الرحمن بن منصور کو اپنا حاجب مقرر کیا۔ نیا حاجب نہ صرف بہت جلد سلطنت کا مختارِ کل بن گیا بلکہ اس پر اکتفانہ کرتے ہوئے اس نے ہشام سے قرطبہ کی جامع مسجد میں اپنی ولی عہدی کا اعلان کرادیا۔ عبد الرحمن کی یہ حرکت بنوامیہ کے حامیوں کو ناگوار گزری' چنانچہ اس کی عدم موجودگی میں اس کے مخالف امراء نے قرطبہ میں محمد بن ہشام بن عبد الجبار بن عبد الرحمن ثانی کو مہدی باللہ کے لقب سے تخت پر بٹھالیا اور خلیفہ ہشام کو معزول کر دیا۔ اس خبر کے سنتے ہی عبد الرحمن قرطبہ واپس آیا مگر بگڑے ہوئے حالات پر قابو نہ پاسکا۔ اسی کے رفقاء میں سے ایک نے اس کا سر قلم کرکے مہدی کے پاس بھیج دیا' اس طرح بنی عامر کے سیاسی اقتدار کا خاتمہ ہو گیا۔

سن 407ھ تک مستعین قرطبہ اور اس کے مضافات پر حکومت کرتا رہا، آخر مراکش کے ادریسی خاندان کے ایک نوجوان علی بن حمود نے اشبیلیہ کے قریب مالکہ کے مقام پر مستعین کو شکست دے کر اسے قتل کر دیا۔ اسی کے ساتھ سپین میں بنوامیہ کا چراغ 407ھ میں ہمیشہ کے لئے گل ہو گیا۔

مصر اور شمالی افریقہ کی مسلم حکومتیں

دولتِ ادریسیہ (172ھ تا 309ھ):

تیسرے عباسی خلیفہ مہدی کے دور تک شمالی افریقہ کے تمام اسلامی علاقے خلیفۂ بغداد کے تابع تھے، لیکن خلیفہ ہادی کے عہد میں امام حسینؓ کے خاندان کے حسین بن علی نے بغاوت کی اور شکست کھا کر مارے گئے، جبکہ ان کے ماموں ادریس بن عبد اللہ مراکش فرار ہو گئے۔ ادریس کو مراکش کے بربر قبائل نے امیر تسلیم کیا اور 172ھ (788ء) میں ادریسی حکومت قائم ہوئی۔ ادریس اول نے فاس شہر بسایا اور ریاست کو علم و تہذیب کا مرکز بنایا، لیکن عباسیوں کی سازش سے زہر دے کر قتل کر دیا گیا۔ ان کی وفات کے بعد ان کے بیٹے ادریس ثانی نے گیارہ سال کی عمر میں حکومت سنبھالی اور فتوحات کے ذریعے ریاست کو وسعت دی۔ ابنِ خلدون کے مطابق، اس نے عباسی اقتدار ختم

کر کے شمالی افریقہ پر اپنی حکمرانی مضبوط کی۔ 825ء میں ادریس ثانی کی وفات کے بعد ان کا بیٹا محمد تخت نشین ہوا، جس نے بھائیوں کو مختلف صوبوں کا والی بنایا اور کامیاب حکمرانی کی۔ محمد کی وفات (833ء) کے بعد پانچ حکمران گزرے، جنہوں نے اچھا نظم و نسق برقرار رکھا، لیکن آخری حکمران یحییٰ سوم انتظامی صلاحیتوں کی کمی کی وجہ سے مراکش پر فاطمیوں کے حملے کو نہ روک سکا، جس سے ادریسی سلطنت ختم ہو گئی۔

اغلبی حکومت (184ھ تا 296ھ بمطابق 801ء تا 909ء):

ہارون الرشید کے دور میں افریقہ شورشوں کی زد میں رہا۔ جب شمالی افریقہ کا گورنر یزید بن حاتم وفات پا گیا تو بربریوں نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے علمِ بغاوت بلند کیا۔ متعدد مہمات دربارِ خلافت سے روانہ کی گئیں لیکن فتح حاصل نہ ہو سکی۔ مغیرہ بن بشر کی سختی کی وجہ سے عباسی فوج نے بھی بغاوت کی، اور باغیوں کے سردار عبداللہ بن جارود نے فوجیوں کو مزید بھڑکایا، جس کے نتیجے میں نئے گورنر عبداللہ بن یزید کو قتل کر دیا گیا۔ عبداللہ بن جارود نے تمام افریقی قبائلی سرداروں کو ایک جھنڈے تلے جمع کر لیا، جو عباسی اقتدار کے لیے مستقل خطرہ بن گیا۔ ہارون الرشید نے تجربہ کار افراد جیسے ہرثمہ بن اعین، یحییٰ بن موسیٰ، اور محمد بن مقاتل کو مہمات کے لیے روانہ کیا، لیکن سب ناکام رہے۔ ان حالات میں ابراہیم بن اغلب نے اپنی خدمات اس شرط پر پیش کیں کہ افریقہ کی امارت اس کے خاندان کو دی جائے گی اور وہ وہاں امن قائم کر کے چالیس ہزار دینار خراج دے گا۔ ہارون نے اس شرط پر افریقہ کی حکومت ابراہیم بن اغلب کے سپرد کر دی، جس نے باغیوں کو شکستیں دیں اور کامیابیوں کے بعد افریقہ کی ولایت مستقل طور پر اپنے خاندان کے سپرد کر دی۔ ابراہیم نے تقریباً بارہ سال حکومت کی اور قیروان کے قریب ایک نیا شہر عباسیہ آباد کر کے اسے اپنا پایہ تخت بنایا۔ 166ھ میں اس کی وفات ہوئی۔ ابراہیم بن اغلب کے بعد اس خاندان کے دس فرمانروا گزرے، جن میں سے تیسرا فرمانروا زیادۃ اللہ تھا، جو علوم و فنون کا سرپرست رہا اور اس کے عہد میں مسلمانوں نے سسلی پر قبضہ کیا۔ 223ھ میں زیادۃ اللہ کی وفات ہوئی۔ چھٹے حکمران ابو ابراہیم نے ملک کو شورشوں سے بچانے کے لیے دس ہزار قلعے تعمیر کرائے اور ملک میں امن قائم کیا۔ آٹھویں فرمانروا ابراہیم بن احمد نے بغاوتوں کو کچل کر فتوحات کا سلسلہ جاری رکھا، لیکن اس کے عہد کے آخری ایام میں ابو عبداللہ شیعی نے طاقت حاصل کر لی اور ابراہیم بن احمد کی وفات

کے بعد ابو مضر زیادۃ اللہ کے دور میں ابو عبد اللہ شیعی نے کئی شہروں پر قبضہ کر لیا، جس کے باعث ابو مضر شام بھاگ گیا اور سلطنت اغلبیہ کا خاتمہ ہو گیا۔

دولتِ طولونیہ:(254ھ تا292ھ)

احمد بن طولون، جو دولتِ طولونیہ کا بانی تھا، نے مصر میں حکومت کی بنیاد رکھی۔ اس کا باپ طولون ایک ترکی غلام تھا، جسے مامون الرشید کی خدمت میں بھیجا گیا تھا۔ احمد نے خلیفہ مستعین کے دور میں اہم کارنامے سرانجام دیے اور عباسی خلافت کی کمزوریوں کا فائدہ اٹھا کر مصر کو آزاد کرالیا۔ ملک الظاہر بیبرس نے احمد کو مصر کا حاکم مقرر کیا اور اسے بیعتِ خلافت دی۔ احمد بن طولون نے شام اور اسکندریہ کے علاقوں پر بھی حکمرانی کی اور حکومت کے ہر شعبے میں ترقی کی۔ تاہم، حاسد امراء کی سازشوں کے نتیجے میں اسے مصر سے ہٹانے کی کوششیں ہوئیں۔ احمد بن طولون نے 270ھ میں وفات پائی، اور اس کے بعد اس کا بیٹا خمارویہ تخت نشین ہوا۔ خمارویہ کی وفات کے بعد، اس کا بیٹا جیش حکمران بنا لیکن جلد ہی معزول کر دیا گیا اور اس کے بھائی ہارون کو تخت پر بٹھایا گیا۔ ہارون کی نااہلی کی وجہ سے عباسی خلافت اور امراء کے ساتھ اس کے تعلقات خراب ہو گئے۔ 292ھ میں ہارون کو قتل کر دیا گیا، جس کے بعد شیبان حکمران بنا لیکن وہ بھی جلد ہی ناکام ہو گیا۔ آخر کار، 292ھ میں محمد بن سلیمان نے عباسی امیر کا قبضہ فسطاط پر کر لیا اور طولونی خاندان کے تمام افراد کو گرفتار کر کے بغداد بھجوا دیا، جس سے طولونی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔

دولت ایوبیہ(1171ء تا1250ء):

صلاح الدین ایوبی کا تعلق کرد خاندان سے تھا اور اس کے والد نجم الدین ایوب کی مناسبت سے اس خاندان کی حکومت کو ایوبیہ کا نام دیا گیا۔ نجم الدین ایوب بعلبک کا قلعہ دار تھا اور جب نورالدین زنگی نے صلاح الدین کے چچا اسد الدین شیر کوہ کو مصر میں صلیبیوں کے خلاف فوج کشی کے لیے روانہ کیا تو صلاح الدین بھی اس کے ہمراہ تھا۔ شیر کوہ نے فاطمی وزیر شاور سعدی کو شکست دے کر مصر پر اپنا تسلط قائم کر لیا، جس پر فاطمی خلیفہ عاضد نے شیر کوہ کو وزیر مقرر کیا۔ 1169ء میں شیر کوہ کی وفات کے بعد وزارت صلاح الدین کے سپرد ہوئی، اور 1171ء میں اس نے فاطمی خلیفہ کو معزول کر کے مصر میں نورالدین زنگی کے نام کا خطبہ جاری کر دیا۔ 1174ء میں نورالدین کی وفات کے

بعد صلاح الدین ایوبی مصر کا خود مختار حکمران بن گیا اور تھوڑے ہی عرصے میں شام، یمن اور حجاز کے علاقے بھی فتح کر لئے۔ 1175ء میں خلیفۂ بغداد نے سلطان کی حکومت کو تسلیم کر لیا۔ صلاح الدین نے عیسائیوں کے ساتھ مسلسل جہاد کیا اور 1187ء میں حطین کی جنگ میں صلیبیوں کو بڑی شکست دی، جس کے نتیجے میں بیت المقدس فتح ہوا۔ بیت المقدس 490ھ سے 588ھ تک عیسائیوں کے قبضے میں رہا، لیکن صلاح الدین نے اس شہر کو فتح کرتے وقت کسی عیسائی باشندے کو نقصان نہیں پہنچایا۔ بیت المقدس کی فتح نے پورے یورپ میں ہلچل مچادی اور عیسائی حکمرانوں نے ایک بڑا لشکر لے کر اسلامی سرزمین پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا، مگر صلاح الدین نے کئی لڑائیاں لڑ کر انہیں ناکام بنایا۔ تیسری صلیبی جنگ کے بعد، صلاح الدین نے عیسائیوں کو زیارت کی اجازت دی۔ 589ھ میں صلاح الدین ایوبی کا انتقال ہوا اور انہیں جامع مسجد دمشق کے قریب دفن کیا گیا۔ ان کی شجاعت و انسانیت کی بدولت آج بھی انہیں یورپ میں عزت و عظمت سے یاد کیا جاتا ہے۔ ان کی وفات کے بعد ان کا بیٹا عثمان تخت نشین ہوا، مگر جلد ہی معزول ہو گیا۔ پھر ان کا بھائی ملک عادل حکمران بنا، جس نے ایوبی حکومت کو صلیبیوں سے بچانے میں اہم کردار ادا کیا۔ ملک کامل اور ملک عادل ابو بکر جیسے حکمرانوں کے بعد ملک صالح نجم الدین تخت نشین ہوا، جو عیسائیوں کے ساتھ لڑائی میں شہید ہو گیا۔ آخر کار، ملک معظم توران شاہ بن ملک صالح چند مہینے بعد قتل ہو گیا، جس کے بعد مملوک ایبک نے مصر میں ملوک حکومت کی بنیاد رکھی، یوں ایوبی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔

خلافت عباسیہ مصر میں

خاندانِ عباسیہ کے آخری خلیفہ مستعصم باللہ کے قتل کے بعد اس کا چچا ابو القاسم احمد تاتاریوں کی قید سے بھاگ نکلا اور شام کے کسی علاقے میں روپوش ہو گیا۔ اس وقت مصر میں ممالیک کی حکومت تھی، اور ملک الظاہر بیبرس نے ابو القاسم احمد کی تلاش کے لیے ایک وفد روانہ کیا۔ وفد نے ابو القاسم کو مصر پہنچایا، جہاں ملک الظاہر نے اسے عزت و احترام کے ساتھ تختِ خلافت پر بٹھایا اور 659ھ میں اس کے ہاتھ پر بیعت کی۔ ابو القاسم احمد نے مستنصر باللہ کا لقب اختیار کیا اور ملک الظاہر کو نائب السلطنت قرار دے دیا۔ تاہم، اس کا دورِ خلافت صرف چھ ماہ تک جاری رہا، کیونکہ وہ تاتاریوں کے خلاف لڑائی میں شکست کھا گیا۔ خلیفہ کے مفقود ہونے کے بعد، ملک الظاہر نے ایک اور عباسی شہزادے

ابو العباس احمد بن حسن کو خلیفہ بنایا، جو حاکم بامر اللہ کے لقب سے 661ھ میں تخت نشین ہوا۔ تھوڑی مدت بعد خلیفہ اور ملک الظاہر میں اختلاف ہوا، جس پر خلیفہ کو نظر بند کر دیا گیا۔ حاکم بامر اللہ نے 701ھ میں وفات پائی، اور اس کی مدتِ خلافت کا زیادہ تر حصہ زنداں میں گزرا۔ اس کے بعد کئی خلفاء آئے، جن میں مستکفی باللہ اول، واثق باللہ، حاکم بامر اللہ دوم، معتضد باللہ اول، متوکل علی اللہ اول، مستعصم باللہ، اور دیگر شامل تھے۔ خلافت کا یہ سلسلہ نام کی حیثیت سے تو برقرار رہا لیکن حقیقت میں مملوک سلاطین ان خلفاء کے حقیقی حکمران تھے۔ 923ھ میں سلطنت عثمانیہ کے سلطان سلیم اول نے مصر فتح کر کے مملوکوں کی حکومت کا خاتمہ کر دیا اور متوکل علی اللہ سوم نے منصبِ خلافت سے دستبردار ہو کر رسول اکرم ﷺ کے تبرکات سلطان سلیم کو حوالے کیے۔ اس طرح مصر میں 18 عباسی خلفاء کا 265 سالہ دورِ خلافت اختتام کو پہنچا اور عباسی خلافت کا ٹمٹماتا ہوا چراغ ہمیشہ کے لیے بجھ گیا، جبکہ منصبِ خلافت قبیلۂ قریش سے ترکوں کی دولتِ عثمانیہ کو منتقل ہو گیا۔

خود آزمائی:

1. مسلمانوں نے اندلس پر قبضہ کیسے کیا اور وہاں اپنی ایک نئی ریاست کیسے قائم کی؟
2. اندلس میں اموی خلافت کا عروج اور زوال کے اہم ترین عوامل کیا تھے؟
3. عبدالرحمن الداخل کا اندلس میں کیا کردار تھا اور اس نے اموی حکومت کی بنیاد کیسے رکھی؟
4. اندلس میں مسلمانوں کے علمی اور ثقافتی کارنامے کیا تھے؟
5. اندلس میں مسلمانوں کے اقتدار کا خاتمہ کیوں ہوا؟

یونٹ نمبر7

برِ صغیر میں مسلم حکومتیں

فہرست عنوانات

یونٹ کا تعارف: 155

یونٹ کے مقاصد: 156

1 جنوبی ہند کے اسلام اور مسلمان سے تعلقات 157

2 محمد بن قاسم ثقفی کی آمد 157

3 ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں 158

3.1 آل یمین کا عروج وزوال 158

4 سلاطین دہلی 159

5 تغلق سلاطین کا عہد 160

6 مغلیہ سلطنت کا آغاز 161

6.1 مغلیہ سلطنت کا زوال: 162

6.2 مغلیہ دور کے تعلیمی و تہذیبی آثار: 162

7 برصغیر میں برطانوی عہد کا آغاز 163

7.1 برطانوی حکومت کا آغاز (1857ء تا 1947ء) 163

8 تحریک آزادی ہند 165

9 تحریک پاکستان 165

خود آزمائی: 166

یونٹ کا تعارف

عہد رسالت مآب ﷺ اور خلفائے راشدین میں دعوت اسلام کا آغاز ہو چکا تھا، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے عہد میں سوحل وسندھ تک اسلام کا پیغام پہنچ چکا تھا۔ عہد اموی میں مشہور فاتح محمد بن قاسم کی سندھ میں فتوحات نے اس دعوت کے ابلاغ و استحکام میں نمایاں کردار ادا کیا۔ یہاں کی رعایا مسلمان فاتحین کے اخلاق و کردار اور اعلیٰ انسانی رویوں سے بہت متاثر ہوئی اور بکثرت دولت ایمان سے مستفیض ہوئے۔ محمد بن قاسم کے بعد سندھ کے علاقے میں بعض عرب حکومتیں وجود میں آئیں۔

بعض ازاں غزنوی خاندان نے مختلف اوقات میں سرزمین ہند میں اسلام کا پرچم بلند کیا، تاہم ہندوستان میں باقاعدہ مسلم حکومت کا بانی شہاب الدین غوری تھا، جس نے اسلامی سلطنت کی بنیاد رکھی۔ اس کے بعد سلاطین دہلی کے حکمرانوں میں قطب الدین ایبک، شمس الدین التمش، ناصر الدین نے اس ریاست کو استحکام بخشا، اس کے بعد تغلق سلاطین کا عہد آتا ہے، جس میں اسلامی شعائر کی ترویج و اشاعت ہوئی اور علوم و فنون میں ترقی ہوئی، برصغیر میں مسلم حکومت کے آخری خاندان کا نام خاندان مغلیہ ہے جس کے بانی ظہیر الدین بابر نے اس کی بنیاد رکھی، برصغیر میں عہد مغلیہ میں مسلمانوں کی ایک وسیع حکومت تھی، اس کے ابتدائی سالوں میں ریاست کی حدود میں وسعت کر کے علوم و فنون میں ترقی ہوئی، فنون تعمیر میں مغلوں نے نمایاں کردار ادا کیا۔ تاہم وہ اس سلسلہ حکمرانی کو عہد جدید کے تقاضوں کے مطابق استوار نہ کر سکے، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ سات سمندر دور کے لوگوں نے جو جدید علوم و فنون اور ٹیکنالوجی سے آراستہ تھے ان کے علاقے میں کمال ہوشیاری سے قبضہ کر لیا، ایسٹ انڈیا کمپنی جو تجارتی غرض سے ہندوستان آئی تھی، اس نے آہستہ آہستہ ہندوستان میں اپنی حکومت کی راہ ہموار کی اور آخر کار 1857ء میں اس نے ہندوستان پر اپنی حکومت قائم کر لی۔ 1857ء تا 1947ء تک برطانوی عہد حکومت میں ہندوؤں اور مسلمانوں نے کوشش کی کہ آزادی حاصل کریں۔

آخر کار مسلمانوں نے الگ تشخص اختیار کرتے ہوئے مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے ایک الگ اسلامی مملکت پاکستان کیلئے جدوجہد کی جو آخر کار کامیاب ہوئی۔ اس یونٹ میں آپ برصغیر میں مسلم حکومت کی مختصر تاریخ کا مطالعہ کر سکیں گے۔

یونٹ کے مقاصد

امید ہے کہ اس یونٹ کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

1. یہ جائزہ لے سکیں کہ اسلام جنوبی ایشیا میں کیسے آیا اور اس نے مقامی تہذیبوں کو کیسے متاثر کیا۔ نیز محمد بن قاسم ثقفی کی آمد اور اس کے بعد کے عربوں کی حکومتوں کا مطالعہ کریں گے۔
2. غزنوی اور غوری حکمرانوں کے دور میں ہندوستان میں اسلامی حکمرانی کے قیام اور اس کے اثرات کا مطالعہ کر سکیں۔ سلطان محمود غزنوی اور محمد غوری جیسے حکمرانوں کے کارناموں اور ان کے دور میں ہونے والی اہم جنگوں کا جائزہ لے سکیں۔
3. دہلی سلطنت کے مختلف سلاطین کے دور میں ہندوستان میں اسلامی حکمرانی کے عروج و زوال کا مطالعہ اور قطب الدین ایبک، شمس الدین التمش اور علاء الدین خلجی جیسے حکمرانوں کے دور میں ہونے والی اہم پیش رفتوں کا جائزہ لے سکیں۔
4. مغلیہ سلطنت کے قیام اس کے عروج وزوال کا مطالعہ کر سکیں۔
5. برطانوی راج کے دوران ہندوستان میں مسلمانوں کی سیاسی اور سماجی حالت کا مطالعہ اور آزادی کی تحریک میں مسلمانوں کے کردار اور پاکستان کی تشکیل کے پس منظر کو بھی سمجھ سکیں۔

1- جنوبی ہند کے اسلام اور مسلمان سے تعلقات

عام طور سے ہندوستان میں اسلام کی ابتدائی تاریخ کا تصور محمد بن قاسم سے وابستہ ہے، حالانکہ ان سے بہت پہلے جنوبی ہندوستان کے تعلقات اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ استوار ہو چکے تھے، بزرگ بن شہریار رامہرمزی کی تصریح کے مطابق عہد رسالت ہی میں ایک وفد سرندیپ سے مدینہ منورہ روانہ ہوا تھا، جو بعض رکاوٹوں کی وجہ سے عہد فاروقی کی ابتداء میں وہاں پہنچا، اور براہ راست اسلام کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی، نیز ہندوستان کے ساحلی علاقوں میں عرب تاجروں کے لئے بڑی کشش تھی، سندھ کے مقابلہ میں یہاں ان کو تجارتی سامان اور قسم قسم کی چیزیں زیادہ ملتی تھیں، اور سرندیپ اور چین کے تجارتی اسفار میں آتے جاتے تھے ان کو مہاراجگان و لبھی رائے کے دیس سے گزرنا پڑتا تھا، ان وجوہ سے سرندیپ، چیمور، سوپارہ، سندان، تھانہ بھروچ، اور کھمبائت وغیرہ کے قدیم تجارتی تعلقات نے جدید اسلامی تعلقات میں بڑی مدد دی، اور طرفین کے قدیم تعارف نے جدید علاقہ کو بہت جلد استوار کر دیا۔

2- محمد بن قاسم ثقفی کی آمد

یوں تو ہندوستان پر مسلمانوں کے بحری و بری حملے حضرت عمرؓ کے زمانے سے ہی شروع ہو گئے تھے پھر حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ، حضرت معاویہؓ کی خلافت کے کارناموں میں مکران، قیقان، بلیکہ، بنوں اور لاہور تک اسلامی دستوں کے آنے اور جنگ کرنے کے واقعات کا ذکر ملتا ہے، لیکن باقاعدہ حملہ اور فتح خلیفہ ولید بن عبد المالک کے زمانے میں مشہور اسلامی جرنیل محمد بن قاسمؒ کے زیر قیادت ہوئی۔۔

محمد بن قاسمؒ کے دور میں اسلام کے تیزی سے پھیلنے اور اس صنم خانے سے کعبہ کو پاسباں فراہم ہونے کی بہت بڑی وجہ یہ تھی کہ اس نے اپنے دور میں غیر مسلم رعایا کو وہی حیثیت دی جو صحابہ کرام نے اہل فارس کو دی تھی۔ یعنی نکاح اور ذبیحہ کے علاوہ دیگر تمام امور میں ان کے ساتھ اہل کتاب کا برتاؤ کیا جائے اور ان کے مندروں کی حیثیت ایران کے آتش کدوں کی طرح رکھی گئی اور جس طرح صحابہ نے آتش کدے نہیں توڑے اسی طرح مصالحت کے بعد مندر بھی محفوظ رہنے دیئے گئے۔ چنانچہ بعض روایات میں آتا ہے کہ محمد بن قاسمؒ کے چلے جانے کے بعد وہاں لوگوں نے اس کا مجسمہ بنالیا تھا۔

3- ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں

عربوں نے برعظیم پاک و ہند میں سب سے پہلے سندھ اور ملتان کے علاقوں کو فتح کیا، جس کی تاریخ کے بارے میں دستیاب معلومات بہت کم ہیں۔ مسعودی نے 915-916 عیسوی میں منصورہ اور ملتان کا ذکر کیا، جہاں وہ ان شہروں کی خوشحالی کا تو ذکر کرتا ہے، لیکن یہاں کے علمائے کرام کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ مقدسی نے کچھ علماء کا تذکرہ کیا ہے، جن میں قاضی ابو محمد منصوری شامل ہیں، اور اس نے امام داؤد کے بارے میں بھی لکھا کہ وہ کئی کتابوں کے مصنف تھے۔ یہ بات قابل غور ہے کہ خوشحال شہروں میں علماء کی عدم موجودگی ممکن نہیں تھی۔ ابو حفص محدث بصری، جو تبع تابعین میں سے تھے، عربوں کی فتوحات کے ابتدائی دور میں سندھ آئے تھے اور ان کی موجودگی سے یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ منصورہ، دیبل اور ملتان اسلامی علوم کے مراکز بن گئے ہوں گے۔ عربوں کی حکومت تقریباً چار سو سال تک قائم رہی، لیکن وہ وسطی ہندوستان تک نہیں پہنچ سکے۔ اس کے بعد ترکیوں کا دور آیا، جنہوں نے برصغیر پر اسلام کا پرچم لہرا دیا، جس کا آغاز آل یمین سے ہوا۔

3.1- آل یمین کا عروج و زوال

غزنوی خاندان کی حکومت، جسے آل یمین کی حکومت بھی کہا جاتا ہے، کا آغاز محمود غزنوی کے دور سے ہوا، جسے خلافت عباسیہ کی طرف سے "یمین الدولہ" کا خطاب دیا گیا۔ اگرچہ ہندوستان کے ابتدائی مسلمان فاتحین عرب تھے، لیکن ان کے حملے تاریخی طور پر ایک ضمنی واقعہ تصور کیے جاتے ہیں، کیونکہ ان کی فتوحات صرف سندھ اور ملتان تک محدود رہیں۔ عربوں کی مہمات کی تکمیل ترکوں نے کی، جنہوں نے آٹھویں اور نویں صدی عیسوی میں بغداد کے عرب خلفاء پر غلبہ حاصل کیا۔ ترکوں نے اسلامی سلطنت کو بڑی وسعت دی اور ان کا انداز نظر عربوں سے مختلف تھا۔

سب سے پہلا ترک جو اسلامی فتوحات کے سلسلے میں معروف ہوا، وہ الپتگین تھا، جو بخارا کے سامانی سلطان کا غلام تھا اور بعد میں خراسان کا گورنر بنا۔ اس کے بعد سبکتگین نے 977ء سے 997ء تک سلطنت کو وسعت دی، لغمان اور سیستان کو فتح کیا اور 994ء میں خراسان پر قبضہ کر لیا۔

سلطان محمود غزنوی، جو سبکتگین کا بیٹا تھا، نے 998ء میں غزنی کے تخت پر بیٹھا اور اس نے ہندوستان میں تقریباً سترہ حملے کیے، جن میں سومنات کا مشہور حملہ بھی شامل ہے۔ اس نے لاہور کو اپنی سلطنت میں شامل کر کے پہلی مستقل اسلامی حکومت کی بنیاد رکھی۔

غزنوی خاندان کا دور علم و ثقافت کا عہد تھا، جس میں محمود نے بڑے علماء کی سرپرستی کی اور اسلامی علوم کے مراکز قائم کیے۔ اس کے بعد محمد غوری نے ہندوستان میں اسلامی سلطنت کا حقیقی آغاز کیا، خاص طور پر پرتھوی راج کے خلاف ترائین کی دوسری جنگ میں فتح حاصل کر کے مسلمانوں کی پیش قدمی کو یقینی بنایا۔ اس طرح غزنوی خاندان نے برصغیر میں اسلامی تہذیب کی جڑیں مضبوط کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔

4- سلاطین دہلی

برصغیر میں سلاطین دہلی کی سلطنت کا آغاز شہاب الدین غوری کے غلام قطب الدین ایبک کی حکومت سے ہوا اور یہ دور مغلیہ دور سے قبل تک جاری رہا۔ سلاطین دہلی کو اس نام سے جانا جاتا ہے کیونکہ ان کی حکومت اکثر دہلی کے گردونواح تک محدود رہی، جبکہ بقیہ ہندوستان پر ان کا مکمل قبضہ نہیں ہوا۔

- قطب الدین ایبک (1206-1210) کو اسلامی تاریخ میں اہمیت حاصل ہے اور اسے خاندان غلاماں کا بانی سمجھا جاتا ہے۔ ایبک ایک ترک غلام تھا جس نے نیشا پور میں تعلیم حاصل کی۔ اس نے صرف چار سال بادشاہت کی، لیکن صوبہ داری کے دوران تقریباً اٹھارہ سال حکومت کی۔ ایبک نے دہلی میں "قوت اسلام" نامی ایک عظیم مسجد بنوائی، جس کا مشہور مینار "قطب مینار" بھی اسی دور میں تعمیر ہوا۔
- شمس الدین التمش (1211-1236) ایبک کے بعد تخت نشین ہوا اور اس نے تقریباً 26 سال حکومت کی۔ اس کے دور میں اسلامی سلطنت کی بنیادیں مضبوط ہوئیں اور اس نے مظلوموں کے حقوق کے تحفظ کے لئے کئی اقدامات کئے۔
- ناصر الدین محمود (1246-1266) رضیہ سلطانہ کے بعد بادشاہ بنا، جو ایک نیک دل اور عابد بادشاہ تھا۔ اس نے اپنے وزیر اعظم غیاث الدین بلبن کو حکومت کا سارا نظام سنبھالنے دیا۔

- غیاث الدین بلبن (1266-1286) نے منگولوں کے حملوں کو روکنے کے لئے ایک طاقتور فوج تیار کی اور کئی بار انہیں شکست دی۔ بلبن ایک عادل حکمران تھا جس نے رعایا کے حقوق کا خاص خیال رکھا۔
- جلال الدین خلجی (1290-1294) نے سات سال حکومت کی اور منگولوں کے حملوں کو روکنے میں شجاعت دکھائی، لیکن اسے اس کے بھتیجے علاؤالدین نے دھوکے سے قتل کر دیا۔
- علاؤ الدین خلجی (1299-1319) کے دور میں دہلی کی اسلامی سلطنت عروج پر پہنچی۔ اس نے کئی فتوحات حاصل کیں اور اپنی فوج کو مضبوط کیا، جس کی وجہ سے اسلامی حکومت کا دائرہ کار وسیع ہوا۔

یہ تمام حکمران مل کر دہلی سلطنت کی بنیادیں مضبوط کرنے میں اہم کردار ادا کرتے رہے، جو کہ برصغیر کی تاریخ میں ایک اہم دور ہے۔

5- تغلق سلاطین کا عہد

خاندان تغلق کا بانی سلطان غیاث الدین تغلق مذہب اور علماء کا بہت احترام کرتا تھا۔ تاریخ میں ایک واقعہ ملتا ہے کہ ایک مرتبہ سلطان کی موجودگی میں سماع کی حلت و حرمت پر مناظرہ ہوا، جس میں حضرت نظام الدین اولیا نے موسیقی کے جواز پر بحث کی۔ ان کی دلیلوں سے متاثر ہو کر سلطان نے موسیقی کو ناجائز سمجھنے کے اپنے نظریے کو تبدیل کیا۔

سلطان محمد تغلق، جو خاندان کا دوسرا فرماں روا تھا، علم و فنون کا ماہر اور علم کا قدردان تھا۔ اس نے معین الدین عمرانی دہلوی کو شیراز کے نامور مصنف قاضی عضد الدین کو دہلی لانے کی کوشش کرنے کے لیے مقرر کیا، لیکن اس کی کوشش ناکام رہی۔ محمد تغلق خود عالم ہونے کے باوجود، اس کے دور میں دہلی میں علماء کی تعداد کم تھی۔

فیروز شاہ تغلق، جو سلطان محمد تغلق کا جانشین تھا، ہند کے سب سے زیادہ دین دار بادشاہوں میں شمار ہوتا ہے۔ اس کے دور میں کئی مشہور مصنفین نے فقہ پر کتابیں لکھیں اور اس نے ملک میں کئی نئے شہر بنائے۔ فیروز شاہ نے دہلی کو ترقی دی اور یہاں ایک ہزار مدرسے قائم کیے۔

تغلق خاندان کے بعد امیر تیمور، سادات اور لودھی خاندان کی حکومت آئی، جن کی حکومتیں قابل ذکر نہیں تھیں۔ آخر کار، ابراہیم لودھی سے ظہیر الدین بابر نے حکومت حاصل کر کے برصغیر میں مغلیہ سلطنت کی بنیاد رکھی۔

6- مغلیہ سلطنت کا آغاز

ظہیر الدین بابر نے برصغیر کا رخ کیا جہاں لودھی خاندان کی حکومت قائم تھی۔ بابر نے ان علاقوں پر اپنا خاندانی حق سمجھا جو تیمور نے فتح کیے تھے اور ان کو دوبارہ حاصل کرنے کے لیے کئی حملے کیے۔ 21 اپریل 1526 کو پانی پت کی پہلی جنگ میں ابراہیم لودھی کو شکست دے کر دہلی پر قبضہ کر لیا۔ بابر کے بیٹے ہمایوں نے آگے بڑھ کر آگرہ پر بھی کنٹرول حاصل کیا۔ اگرچہ بابر اپنے آبائی وطن خراسان میں حکومت قائم کرنے میں ناکام رہا، لیکن اس نے ہندوستان میں ایک عظیم سلطنت کی بنیاد رکھی جو اپنی وسعت اور شان و شوکت میں وسط ایشیا کی تیموری سلطنت سے بھی آگے نکل گئی۔

- ہمایوں (1530-1556) بابر کا بیٹا تھا اور اپنے والد کی طرح شریف اور رحم دل تھا۔ اس نے کئی جنگوں میں حصہ لیا، لیکن عیش پسند ہونے کے باعث اپنی فوج اور سرداروں کو بابر کی طرح قابو میں نہیں رکھ سکا۔ اس کے ابتدائی سال کامیاب رہے، مگر بعد میں شیر شاہ سوری سے شکست کھا کر ایران چلا گیا۔ وہاں سے واپس آ کر اس نے اپنی کھوئی ہوئی سلطنت دوبارہ حاصل کی، لیکن جلد ہی وفات پا گیا۔
- اکبر اعظم (1556-1605) ہمایوں کا بیٹا تھا، جس نے تقریباً پچاس سال حکومت کی اور ایک وسیع سلطنت قائم کی۔ اگرچہ دکن کا بڑا حصہ اس کی سلطنت میں شامل نہیں تھا، لیکن کشمیر، بلوچستان، کابل اور قندھار اس کے زیر نگین تھے۔ اکبر نے ملک کو پندرہ صوبوں میں تقسیم کیا اور ہر صوبے کے لیے ایک صوبہ دار مقرر کیا۔
- نور الدین جہانگیر (1605-1627) اکبر کا بیٹا تھا، جو عیش پسند اور آرام طلب تھا۔ اس کے دور میں شراب نوشی کا رجحان بڑھ گیا، جس کی وجہ سے اس کے کئی بھائی جوانی میں ہی فوت ہو گئے۔
- شہاب الدین شاہجہاں (1628-1658) جہانگیر کا بیٹا تھا، جس کے دور میں قندھار پر دوبارہ قبضے کی کوششیں کی گئیں، لیکن کامیابی نہیں ملی۔
- محی الدین اورنگزیب عالمگیر (1658-1707) نے اپنے دور حکومت میں مغلیہ سلطنت کو عروج پر پہنچایا۔ وہ ایک نیک دل اور دیانتدار بادشاہ تھا، جس نے سرکاری آمدنی کو ذاتی خرچ کے لیے استعمال نہیں کیا۔

یہ تمام حکمران مل کر مغلیہ سلطنت کی بنیاد رکھنے اور اسے ترقی دینے میں اہم کردار ادا کرتے رہے، جو برصغیر کی تاریخ کا ایک اہم حصہ ہے۔

6.1- مغلیہ سلطنت کا زوال:

1707ء میں اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے ساتھ ہی مغلیہ سلطنت جس کا آغاز 1526ء میں ہوا تھا زوال پذیر ہو گئی مگر اس کے باوجود بھی یہ سلطنت ڈیڑھ سو سال بعد 1857ء میں مکمل طور پر ختم ہوئی، اس ڈیڑھ سو سال میں نو اہم حکمرانوں نے حکومت کی۔ جن کے نام یہ ہیں۔ بہادر شاہ، جہاندار شاہ، فرخ سیر، محمد شاہ، احمد شاہ، عالمگیر ثانی، شاہ عالم ثانی، اکبر ثانی، بہادر شاہ ثانی جسے بہادر شاہ ظفر کہتے ہیں۔ مغلیہ دور کے آخری تاجدار تھے، جن سے انگریز فوجوں نے اقتدار لے کر 1857ء میں ہندوستان میں مغلیہ عہد کا خاتمہ کر دیا اور برطانوی عہد کا آغاز ہو گیا۔

مغلیہ دور کے زوال میں ہندوستان پر 1739ء میں نادر قلی ایران کے حاکم نے حملہ کر کے دہلی تک قبضہ کر لیا مگر مال سمیٹ کر حکومت دوبارہ مغلیہ تاجدار محمد شاہ کے حوالہ کر دی اور 1751ء میں احمد شاہ ابدالی والی افغانستان نے ہندوستان کو فتح کیا لیکن اقتدار احمد شاہ کے پاس ہی رہنے دیا۔

6.2- مغلیہ دور کے تعلیمی و تہذیبی آثار:

عہد مغلیہ برعظیم پاک و ہند میں مسلمانوں کی حکومت کا آخری اور زریں دور تھا، جس میں عربی کے مصنفین کی بڑی تعداد نے کام کیا۔ یہ دور نہ صرف علمی و ادبی سرگرمیوں کے لحاظ سے اہم تھا بلکہ اس میں کئی ممتاز مصنفین بھی شامل تھے، جیسے فیضی، عبدالحق دہلوی، عبدالحکیم سیالکوٹی، شاہ ولی اللہ دہلوی، غلام علی آزاد بلگرامی اور محب اللہ بہاری۔

اکبر کے بارے میں یہ اختلاف پایا جاتا ہے کہ آیا وہ پڑھا لکھا تھا یا نہیں، لیکن یہ بات واضح ہے کہ وہ عربی سے ناواقف تھا۔ اس نے علوم کا بھرپور سرپرست ہونے کا کردار ادا کیا اور اپنے دربار میں مختلف علوم و فنون کے ماہرین کو جمع کیا۔ "آئین اکبری"، "منتخب التاریخ"، اور "طبقات شاہ جہانی" جیسے اہم متون میں اس عہد کے اولیا اور علماء کے نام شامل ہیں۔ شاہ جہان اپنے والد جہانگیر سے زیادہ عالم اور فاضل تھا۔ اس نے مسلمہ علوم کو فروغ دیا اور علماء کی ایک بڑی تعداد کو اپنے دربار میں جمع کیا، جن میں محمود جونپوری، نورالحق، اور عبدالحکیم سیالکوٹی شامل تھے۔

اورنگزیب عالمگیر نے اسلامی علوم کی اشاعت کے لیے بے پناہ محنت کی۔ انہوں نے حنفی فقہ کو جامع شکل دینے کے لیے "فتاویٰ عالمگیری" مرتب کروایا، جو اسلامی قانون کا ایک اہم مجموعہ ہے۔

عالمگیر کی وفات کے بعد سلطنت مغلیہ کی عظمت و قوت زوال پذیر ہونے لگی۔ بہادر شاہ علماء کی صحبت پسند کرتا تھا، جبکہ محمد شاہ عیش و عشرت میں مبتلا ہو گیا۔ تاہم، اس دور میں بھی کئی علماء پیدا ہوئے جنہوں نے علمی ورثے کو آگے بڑھایا۔

یہ دور برعظیم کی تاریخ میں ایک اہم مقام رکھتا ہے جہاں مسلمانوں نے علم و ادب کی دنیا میں نمایاں کردار ادا کیا۔

7- برصغیر میں برطانوی عہد کا آغاز

اٹھارویں صدی عیسوی کے آغاز کے ساتھ ہی ہندوستان کی تاریخ ایک نئے دور میں داخل ہوئی۔ گزشتہ دو صدیاں برصغیر میں مغلوں کے قیام و استحکام پر مبنی تھیں۔ اب حالات بدل چکے تھے اس صدی کی ابتداء کا سب سے اہم سانحہ شہنشاہ اورنگزیب عالمگیر کی وفات ہے جو 1707ء میں ہوئی۔ جبکہ رموز سلطنت سے ناآشنا عمر رسیدہ شہزادے اپنے اسلاف کی طرح سلطنت کو مزید وسعت اور تحفظ فراہم کرنے کے بجائے جنگ جانشینی میں ملوث ہو گئے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی جس کی حیثیت اورنگزیب کے دور تک محض ایک تجارتی ادارے کی تھی اس کے اقتدار اور اختیار میں اضافہ ہو گیا۔ سب سے پہلے اس ادارے نے اپنی اصلاح کی۔ قدیم ایسٹ انڈیا کمپنی لندن اور جدید انگلش کمپنی اورنگزیب کے آخری دور میں ہندوستان میں قائم ہوئی تھی دونوں کو ایک پلیٹ فارم پر لایا گیا اور بالخصوص بنگال میں برطانوی طاقت کو مضبوط کیا گیا اور برطانوی نیوی کی مدد سے اپنی فوجی طاقت کو تقویت پہنچانے کا اہتمام کیا گیا اور یوں ہندوستان کی مقامی سیاسی قوتوں کے بالمقابل ایک خارجی طاقت اپنے پیر جمانے لگی جو مستقبل میں ہندوستان کی تقدیر کا فیصلہ کرنے والی تھی۔

ہندوستان میں مغلیہ حکومت کے عروج کے زمانہ میں یورپی قوموں کی آمد شروع ہو چکی تھی، جب اورنگزیب عالمگیر کے بعد یہ سلطنت کمزور ہوئی تو ان قوموں نے بھی اس خطہ پر اپنی حکمرانی کے خواب دیکھنے شروع کر دیئے۔ مجموعی طور پر برطانیہ، فرانس، اٹلی پرتگال اور ہالینڈ کے وفود مختلف اوقات میں 1498 سے لیکر 1761ء تک اس خطہ میں قدم جمانے کیلئے مختلف تدابیر کو روبہ عمل لانے میں مصروف رہے، لیکن تمام ناکام رہے اور آخرکار فرانس اور برطانیہ میں 1741ء سے 1761ء تک تین اہم جنگیں ہوئیں جن میں برطانیہ نے فرانس کو شکست دے کر بلاشرکت غیرے اس خطہ میں اپنی عملداری قائم کرنے کی کوششیں شروع کر دیں۔

7.1- برطانوی حکومت کا آغاز (1857ء تا 1947ء)

برطانوی برصغیر میں تاجروں کے روپ میں آئے اور مختلف علاقوں میں تجارتی کوٹھیاں اور قلعے قائم کر کے اپنی طاقت کو وہاں تک محدود رکھتے تھے۔ ان کا قیام زیادہ تر کلکتہ، ممبئی، مدراس اور ہگلی وغیرہ میں ہوتا تھا۔ لیکن مغلیہ

سلطنت کے زوال کے بعد طوائف الملوکی کی وجہ سے ان میں بھی حکمرانی کا شوق پیدا ہوا اور انہوں نے اس وقت کے مختلف حکمرانوں کے ساتھ جوڑ توڑ کر کے اپنی طاقت کو مضبوط کیا اور 1757ء میں نواب سراج الدولہ کو بنگال میں پلاسی کے میدان میں شکست دے کر اپنی حکومت کا آغاز کیا اور گورنمنٹ آف برطانیہ کی طرف سے ان علاقوں کا باقاعدہ گورنر مقرر ہونا شروع ہو گیا۔ 1765ء میں لارڈ کلائیو ان مقبوضات کا گورنر مقرر ہوا، لیکن ابھی تک یہ علاقہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ماتحت تصور ہوتے اور گورنر کمپنی کے آگے جواب دہ ہوتا تھا۔ 1765ء سے 1857ء کی جنگ آزادی تک انگریزوں نے اپنی عملداری اور اثرات سارے برصغیر میں پھیلا دیئے لیکن ان کی باقاعدہ حکومت 1857ء کی جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد قائم ہوئی۔ اس جنگ میں جن کو انہوں نے غدر کا نام دیا تھا۔ مغلیہ حکومت کا خاتمہ ہو گیا اور انگریز بلاشرکت غیرے سارے برصغیر کے حکمران بن گئے اور اس کے ساتھ ہی کمپنی کی حکومت ختم ہو گی اور برٹش پارلیمنٹ نے 1858ء میں ایک قانون پاس کر کے ہندوستان کا انتظام براہ راست شاہ انگلستان کے ماتحت ہو کر دیا اور پہلا وائسرائے لارڈ کیننگ مقرر ہوا۔

1857ء میں برطانوی حکومت کے مکمل کنٹرول کر لینے کے بعد لارڈ کیننگ سے لے کر لارڈ ماؤنٹ بیٹن تک کل بیس وائسرائے مختلف اوقات میں ہندوستان میں تعینات کئے گئے اور انہوں نے اپنے ادوار میں متعدد اقدامات کئے، اسی دور میں ہندوستان میں تحریک آزادی ہند کا آغاز ہوا جو متعدد ادوار سے گزر کر پھر تحریک پاکستان کی صورت بھی اختیار کر گئی اور یہ عوامی تحریک 1947ء میں کامیاب ہوئی اور اس طرح برصغیر میں برطانوی عہد کا خاتمہ 14 اگست 1947ء کو ہوا اور دو عظیم سلطنتیں ہندوستان اور پاکستان معرض وجود میں آئیں۔

8- تحریک آزادی ہند

برطانوی حکومت کے غلبہ سے نجات حاصل کرنے کیلئے انیسویں صدی کے وسط سے اعلانیہ و خفیہ تعلیمی و تبلیغی اور سیاسی و ادابی متعدد طریقوں کی آزادی کی تحریکوں کا آغاز ہو چکا تھا۔ اس آغاز سے لے کر 1916ء تک مسلمانوں کا یہ خیال ایک عرصہ تک رہا کہ ہندوستان کی آزادی ہندو مسلم اتحاد کے بغیر ممکن نہیں، اس سلسلہ میں انہوں نے ہندوؤں سے مل کر 1905ء میں تحریک ریشمی رومال شروع کی جس میں پیغام رسانی کیلئے ریشمی رومال کے کنارے استعمال کئے جاتے تھے۔ اس تحریک میں مولانا محمود الحسن دیوبندی کا عالمگیر کردار قابل ذکر ہے۔ بعد ازاں دوسری تحریک خلافت 1912ء میں شروع کی پھر تیسری تحریک ہجرت1914ء میں شروع ہوئی، اس طرح تحریک رد عیسائیت، تحریک ترک موالات تمام تحریکیں مسلمانوں نے ہندوؤں کے ساتھ مل کر چلائیں لیکن ہر تحریک کے اختتام پر انہیں یہ بات واضح طور پر محسوس ہوئی کہ ہندو ان کو ساتھ ملا کر ہندوؤں کے غلبہ کی جدوجہد میں مصروف ہیں۔ ہندوؤں کے غلبہ کیلئے کانگریس کے اہم لیڈروں نے شدھی اور سنگھٹن کی تحریکیں شروع کیں۔ شدھی سے مراد اپنا مذہب تبدیل کر کے ہندومت اختیار کرنا تھا اور سنگھٹن کا مقصد ہندوؤں کو اسلحہ کے استعمال کی تربیت دینا تھی تاکہ وہ مسلمانوں کو کچل سکیں۔ شردھانند اور ڈاکٹر مونجے ان تحریکوں کے روح رواں تھے جو کانگریس کے مرکزی لیڈر تھے۔

مسلمانوں نے ہندوؤں کے اس رویہ کو دیکھ کر 1916ء میں میثاق لکھنؤ کے بعد تحریک آزادی ہند کو تحریک پاکستان کا نام دے کر ہندوؤں سے علیحدہ اپنی کوششوں کا آغاز کر دیا۔

9- تحریک پاکستان

بیسویں صدی کے ابتدائی سالوں میں مسلم لیگ کی کوشش یہ رہی کہ ہندوؤں اور انگریزوں کے درمیان مسلمانوں کی جداگانہ قومی حیثیت کو تسلیم کروایا جائے۔ 1931ء تک مسلم لیگ کا نصب العین مسلمانوں کی علیحدہ سیاسی تنظیم اور جداگانہ انتخاب کے حق کا حصول تھا۔ 1909ء میں مسلمانوں کو جداگانہ انتخاب کا حق مل گیا، جس نے ان کی سیاسی بیداری میں اضافہ کیا۔

1916ء میں کانگریس اور مسلم لیگ نے مل کر لکھنو میں ایک سیاسی سمجھوتہ کیا، جسے میثاق لکھنؤ کہا جاتا ہے۔ اس معاہدے کے تحت مسلمانوں کو ان صوبوں میں زیادہ نمائندگی ملی جہاں وہ اقلیت میں تھے، جبکہ پنجاب اور بنگال کے مسلمان اپنی اکثریت کھو بیٹھے۔

1930ء میں سر محمد اقبال نے الہ آباد میں مسلم لیگ کے اجلاس میں یہ واضح کیا کہ مسلمانان ہند ایک علیحدہ قوم ہیں اور ان کے مسائل کا حل ایک علیحدہ اسلامی ریاست کے قیام میں ہے۔

1921ء سے 1932ء تک مسلم لیگ نے کانگریس سے باعزت سمجھوتے کی کوششیں کیں، لیکن 1931ء کی دوسری گول میز کانفرنس کی ناکامی نے مسلم لیگ کی پالیسی بدل دی۔ محمد علی جناح نے مسلمانوں کو جداگانہ قومیت کا تصور دیا اور انہیں کانگریس میں جذب ہونے سے روکا۔

15 اگست 1939ء کو جناح نے پارلیمانی طرز حکومت کو برصغیر کے لیے غیر موزوں قرار دیا۔ مارچ 1940ء میں لاہور میں مسلم لیگ کا تاریخی اجلاس منعقد ہوا، جس میں پاکستان کی قرارداد پاس ہوئی، جس میں ہندو پاک کے شمال مغرب اور شمال مشرق میں مسلمانوں کی اکثریت والے علاقوں پر مشتمل ایک خود مختار مملکت کا مطالبہ کیا گیا۔ اور بالآخر امت مسلمہ جدوجہد کے سبب 14 اگست 1947ء کو پاکستان ایک آزاد ملک بن گیا۔

یہ تمام واقعات برصغیر کی تاریخ میں اہم سنگ میل ثابت ہوئے، جنہوں نے مسلمانوں کی سیاسی شناخت اور خود مختاری کے حصول کی راہ ہموار کی۔

خود آزمائی:

1. جنوبی ایشیا میں اسلام کی آمد کے اہم ترین عوامل کیا تھے؟
2. غزنوی اور غوری حکمرانوں نے ہندوستان میں اسلامی حکمرانی کو کیسے متعارف کرایا؟
3. دہلی سلطنت کے مختلف سلاطین کے دور میں ہندوستان کی سیاسی اور سماجی صورتحال کیا تھی؟
4. مغلیہ سلطنت کے عروج اور زوال کے اہم ترین عوامل کیا تھے؟
5. برطانوی راج نے ہندوستان میں مسلمانوں کی زندگی کو کیسے متاثر کیا؟

یونٹ نمبر8

خلافت عثمانیہ اور ایران میں مسلم حکومتیں

فہرست عنوانات

یونٹ کا تعارف: 169

یونٹ کے مقاصد: 170

1 سلطنت عثمانیہ 171

1.1 سلطنت عثمانیہ کا ابتدائی دور: 172

2 عثمانی سلاطین کے تنزل کا دور (1566ء تا 1924ء) 174

3 سلطنت عثمانیہ پر تبصرہ 175

3.1 سلطنت عثمانیہ کی طاقت 176

3.2 سلطنت عثمانیہ کی تباہی و بربادی کے اسباب: 176

4 قدیم ایران 177

خود آزمائی: 178

یونٹ کا تعارف

خلافت عباسیہ کے زوال کے بعد مختلف خاندانی حکومتیں وجود میں آئیں، جن میں ماوراالنہر میں سلجوقیوں اور برصغیر میں سلاطین دہلی شامل تھے۔ اس دور میں ترک سردار ارطغرل نے اپنی حکومت قائم کی، جس کے بعد اس کے بیٹے عثمان خان نے اسے سلطنت کی شکل دی، جسے عثمانی حکومت کہا جاتا ہے۔ عثمانی خلفاء نے خلافت عباسیہ کی جگہ لی اور ان کی سلطنت کا دائرہ ایشیا، یورپ اور افریقہ تک پھیلا ہوا تھا۔

سلطان محمد فاتح نے قسطنطنیہ کو فتح کر کے روم کی سلطنت کا خاتمہ کیا۔ عثمانی دور میں اسلامی تہذیب و تمدن کو فروغ ملا، اسلامی قوانین نافذ ہوئے، اور مجلہ الاحکام العدلیہ کی تدوین ہوئی۔ تاہم، وہ یورپ کے صنعتی انقلاب اور سائنسی ترقی کا مقابلہ نہ کر سکے، جس کی وجہ سے ان کی طاقت کمزور ہوئی۔ آخری دو صدیوں میں عثمانی خلافت کمزور ہو گئی، اور مصطفی کمال اتاترک نے 1923ء میں جدید ترکی کی بنیاد رکھی۔

بعثت نبوی ﷺ سے قبل ایران اور روم دو بڑی طاقتیں تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے دین حق کے ساتھ انسانیت کی رہنمائی کی، جس کے نتیجے میں مسلمانوں نے ان طاقتوں کو شکست دی۔ خلافت راشدہ کے بعد مختلف خاندانوں جیسے صفاریہ، سامانیہ، غزنویہ اور سلجوقیوں نے حکمرانی کی۔ خوارزم شاہ کے بعد منگولوں نے حکومت سنبھالی، جبکہ تیموری، افشار، زندیہ اور پہلوی خاندانوں کا دور بھی آیا۔ پہلوی خاندان کے آخری شہنشاہ محمد رضا شاہ کے دور میں ایران میں اسلامی انقلاب آیا، جس نے بادشاہت کا خاتمہ کر کے ایک مذہبی سیاسی نظام قائم کیا۔

اس یونٹ میں آپ خلافت عثمانیہ کے آغاز، ارتقاء اور زوال کا مطالعہ کریں گے۔

یونٹ کے مقاصد

امید ہے کہ اس یونٹ کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ

1. سلطنت عثمانیہ کیسے قائم ہوئی اور اس نے ایک طاقتور سلطنت کی شکل کیسے اختیار کی۔ عثمان اول، آرخان، مراد اول، محمد فاتح اور سلیمان اعظم جیسے اہم حکمرانوں کے دور میں ہونے والی اہم فتوحات اور اصلاحات کا جائزہ لیں گے۔
2. سلطنت عثمانیہ کے زوال کے اسباب کا مطالعہ کریں گے۔ سلطنت کے اندرونی خلفشار، بیرونی حملے اور سیاسی اور اقتصادی عوامل نے سلطنت کو کمزور کیا اور آخر میں اس کا زوال ہوا۔
3. عثمانی سلطنت کے نظام حکومت، فوجی نظام، اور عدلیہ کے بارے میں جان سکیں گے۔ آپ یہ بھی سیکھیں گے کہ سلطنت عثمانیہ میں خلیفہ کی کیا سیاسی حیثیت تھی۔
4. عثمانی سلطنت میں علوم، فنون اور ثقافت کی ترقی کا مطالعہ کریں گے۔ عثمانیوں نے اسلامی دنیا اور یورپ کو فن تعمیر، ادب، اور سائنس کے میدان میں بہت کچھ دیا۔
5. عثمانی سلطنت کے ورثے کا جائزہ لیں گے۔ عثمانی سلطنت نے اسلامی دنیا اور یورپ دونوں کو بہت کچھ دیا۔ اس کا اثر آج بھی دنیا کے مختلف حصوں میں دیکھا جا سکتا ہے۔

1- سلطنت عثمانیہ

سلطنت عثمانیہ عالم اسلام کی سب سے عظیم اور طویل ترین سلطنت تھی۔ اس نے ساڑھے چھ سو سال تک دنیا میں اپنی حکومت کا ڈنکا بجایا۔ اس سلطنت کی حکومت تین براعظموں یورپ، ایشیا اور افریقہ پر محیط تھی، یہ عالم اسلام کی واحد سلطنت تھی جس نے براعظم یورپ میں عظیم ترین فتوحات کیں اور آج بھی یورپ میں مسلمانوں کی آبادیاں اسی سلطنت کی نیک یادوں میں سے ایک ہیں جن میں البانیہ، مقدونیہ، کوسووا اور بوسنیا بہت اہم ہے۔

اس سلطنت کا دور (621ھ بمطابق 1223ء تا (1342ھ بمطابق 1924ء) ہے، اس خاندان کی حکومت کو ہم چار ادوار میں تقسیم کرتے ہیں۔

1. ابتدائی دور
2. سلطانی دور
3. خلافت عثمانیہ کا آغاز
4. زوال کا دور

ابتدائی دور ارطغرل سے شروع ہو کر مراد اول تک چلتا ہے، جس میں یہ حکمران کہلاتے تھے لیکن کوئی خاص لقب اختیار نہیں کیا تھا۔

دوسرے دور میں بایزید اول نے سلطان کا لقب اختیار کیا اور پانچ اہم حکمران اس دور میں گزرے جو محمد اول، مراد دوم، محمد فاتح اور بایزید دوم ہیں۔

تیسرے دور میں خلافت اسلامیہ جو اس وقت عباسی خاندان کے پاس تھی، سلطنت عثمانیہ کے فرمانروا سلیم اول کو منتقل ہو گئی اور اس طرح یہ حکومت سلطنت عثمانیہ سے خلافت عثمانیہ میں تبدیل ہو گئی اس دور کے دو اہم حکمران سلیم اول اور سلیمان اعظم ہیں۔

چوتھے دور میں یہ حکومت زوال کا شکار رہی اور یہ دور سلیم ثانی سے شروع ہو کر آخری خلیفہ عبد المجید ثانی تک رہا اور یہ دور (974ھ بمطابق 1566ء تا 1342ھ بمطابق 1924ء) تک محیط ہے، اس دور میں کل سینتیس (37) حکمران ہوئے۔

1.1- سلطنت عثمانیہ کا ابتدائی دور:

جس زمانے میں برصغیر کے علاقے میں غیاث الدین بلبن اور علاؤالدین خلجی حکومت کر رہے تھے اس زمانے میں ایشیائے کوچک میں، جسے اناطولیہ اور ترکی بھی کہا جاتا ہے، ایک عظیم الشان سلطنت کی بنیادیں مضبوط ہو رہی تھیں۔ یہ آل عثمان کی سلطنت تھی جسے سلطنت عثمانیہ اور دولت عثمانیہ بھی کہتے ہیں، کیونکہ اس کے بانی کا نام عثمان خان تھا۔ یہ سلطنت اپنے عروج کے زمانے میں وسعت میں عربوں کی سلطنت کا مقابلہ کرتی تھی اور پائیدار اور استحکام کے لحاظ سے اسلامی تاریخ کی سب سے مستحکم اور پائیدار حکومت ثابت ہوئی۔

عثمانی نسلاً ترک تھے ان کی حکومت قائم ہونے کا قصہ بڑا دلچسپ ہے جب ہلاکو خان کے زمانے میں بغداد پر منگولوں نے قبضہ کر لیا تو چند سال بعد ان کی ایک فوج ایشیائے کوچک پر قبضہ کرتی ہوئی شہر انقرہ کے قریب پہنچ گئی۔ یہاں قونیہ کے سلجوقی سلطان نے ان کا مقابلہ کیا۔ اس وقت جب کہ دونوں میں لڑائی ہو رہی تھی، خانہ بدوش ترکوں کی ایک جماعت جس کا سردار ارطغرل تھا یہاں سے گزرا۔ ارطغرل نے دیکھا کہ ایک فوج تعداد میں زیادہ ہے اور دوسری کم۔ ارطغرل کے پاس صرف 444 سوار تھے، لیکن وہ کمزور فوج کی مدد کے لئے بڑھا اور اس زور سے حملہ کیا کہ طاقتور فوج کو شکست ہو گئی اور وہ بھاگ کھڑی ہوئی۔ یہ طاقتور فوج منگولوں کی تھی اور تعداد کمزور فوج سلجوقیوں کی تھی۔

عثمان خان، جو 1288ء سے 1326ء تک حکمرانی کرتے رہے، ارطغرل کے بیٹے تھے اور انہوں نے سلطنت عثمانیہ کی بنیاد رکھی۔ 1300ء میں قونیہ کی سلجوقی حکومت کے زوال کے بعد، عثمان خان نے اپنی خود مختار حکومت قائم کی، جس کا نام اس کے نام پر رکھا گیا۔ اس کی جاگیر بازنطینی سلطنت کے قریب تھی، جو اس وقت کمزور ہو چکی تھی۔ عثمان خان نے بازنطینی قلعہ داروں کے خلاف بہادری سے لڑائی کی اور کئی علاقے فتح کیے، جن میں بروصہ شامل ہے۔ عثمان خان ایک عقلمند حکمران تھے جو رعایا کے ساتھ انصاف کرتے تھے اور دولت جمع کرنے کی بجائے مال غنیمت

کو یتیموں اور غریبوں میں تقسیم کرتے تھے۔ ان کی فیاضی اور مہمان نوازی کی وجہ سے ترک آج بھی ان کا نام عزت سے لیتے ہیں۔ ان کا دارالحکومت بروصہ بنا، جو بعد میں عثمانیوں کا مرکزی شہر بن گیا۔ اس کے بعد آرخان (1326-1359) نے حکمرانی کی، جس کے دور میں مسلمانوں نے پہلی بار مشرقی یورپ میں قدم رکھا اور ینی چری فوج کی تشکیل ہوئی، جو دنیا کی پہلی باقاعدہ فوج سمجھی جاتی ہے۔ آرخان نے گیلی پولی کو فتح کیا اور سلطنت عثمانیہ کا رقبہ عثمان خان کے دور سے تین گنا بڑھا دیا۔ مراد اول (1359-1389) نے بھی فتوحات میں اضافہ کیا اور بلغاریہ، سربیا اور بوسنیا جیسے علاقوں کو فتح کیا۔ بایزید (1389-1402) نے سلطنت کو مزید وسعت دی لیکن شراب نوشی کی عادت میں مبتلا ہو گئے۔ ان کی شکست کے بعد محمد اول (1413-1421) نے سلطنت کو دوبارہ مستحکم کیا۔ مراد دوم (1421-1451) اٹھارہ سال کی عمر میں تخت نشین ہوا اور اس نے کئی اہم فتوحات حاصل کیں، جن میں سالونیکا اور وارنا شامل ہیں۔ اس طرح عثمانی سلطنت کا رقبہ بڑھتا گیا اور یہ ایک طاقتور ریاست بن گئی۔

محمد فاتح، جو 1451 سے 1481 تک سلطنت عثمانیہ کے سلطان رہے، نے اپنی حکمرانی میں سب سے بڑا کارنامہ قسطنطنیہ کی فتح کیا۔ یہ شہر، جو بازنطینی سلطنت کا دارالحکومت تھا، مسلمانوں کے لیے ایک خواب کی مانند تھا جسے حاصل کرنے کی کئی کوششیں ناکام رہی تھیں۔ محمد فاتح نے 54 دن کے محاصرے کے بعد 29 مئی 1453 کو قسطنطنیہ کو فتح کیا، جس سے بازنطینی سلطنت کا خاتمہ ہوا اور اس کی عظمت کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا۔ اس فتح کے نتیجے میں انہیں "فاتح" کا لقب ملا۔

قسطنطنیہ کی فتح کے علاوہ، محمد فاتح نے کئی دیگر فتوحات بھی کیں۔ انہوں نے سرویا، بوسنیا اور یونان کے علاقوں کو براہ راست عثمانی حکومت کے تحت لایا۔ انہوں نے بحری قوت کو بھی ترقی دی اور کئی جزائر پر قبضہ کیا۔

محمد فاتح کا دور حکومت علم و فنون کی سرپرستی کے لیے بھی مشہور رہا۔ ان کی حکمرانی میں سلطنت عثمانیہ نے اپنی طاقت میں نمایاں اضافہ کیا اور یہ ایک بڑی طاقت بن گئی۔

اس کے بعد سلیم اول (1512-1520) نے حکمرانی کی، جس نے مشرقی حکومتوں کے خلاف مہمات شروع کیں۔ سلیم نے چالدران کی جنگ میں ایرانیوں کو شکست دی اور مصر کو فتح کیا، جس سے عثمانی سلطنت کا رقبہ دگنا ہوا۔

سلیم اول کے بعد سلیمان اعظم (1520-1566) نے حکمرانی کی، جو سلطنت عثمانیہ کے عروج کا دور تھا۔ انہوں نے بلغراد، جزیرہ رہوڈس اور ہنگری کے علاقوں پر قبضہ کیا اور کئی فتوحات حاصل کیں، جنہوں نے سلطنت عثمانیہ کو ایک عظیم طاقت بنادیا۔ سلیمان اعظم کو یورپ میں "ذی شان" اور ترکوں میں "سلیمان قانونی" کہا جاتا ہے۔

2- عثمانی سلاطین کے تنزل کا دور (1566ء تا 1924ء)

سلیم ثانی (1566-1574ء) نے سلطنت عثمانیہ کی باگ ڈور سنبھالی، لیکن وہ ایک نااہل حکمران ثابت ہوئے۔ ان کی عیش و عشرت کی عادت اور جنگ میں شرکت سے گریز نے حکومت کی انتظامی صلاحیتوں کو متاثر کیا۔ 1568ء میں انہوں نے استر خان کی تسخیر کے لیے ایک بڑی مہم تیار کی، جو ناکام رہی، اور 1570ء میں ترکی اور روس کے درمیان صلح ہوئی۔

اسی دوران، یمن میں بغاوت ہوئی جسے سنانا پاشا نے کچل دیا۔ 1570ء میں سلیم نے قبرص پر چڑھائی کا حکم دیا، جس کے نتیجے میں اگست 1571ء تک جزیرہ عثمانی سلطنت کا حصہ بن گیا۔

سلیم ثانی کے دور کو سلطنت عثمانیہ کے زوال کا دور سمجھا جاتا ہے، جس میں نااہل حکمرانوں کی وجہ سے سلطنت کمزور ہوتی گئی۔ اس دور میں 37 حکمرانوں نے حکومت کی، لیکن یورپی اقوام کی بیداری اور اتحاد نے ترکی کے مقبوضات کو خطرے میں ڈال دیا۔ 1662ء میں ترک فوج کو پہلی بار آتشیں ہتھیاروں کے مقابلے میں شکست کا سامنا کرنا پڑا، جس کے نتیجے میں الجزائر اور تیونس بھی آزاد ہو گئے۔

1875 میں بلقانی مقبوضات کے نقصان کے بعد، 1876 میں سلطان عبد الحمید خان ثانی کے دور میں ترقی پسند تحریکیں ابھریں۔ ان تحریکوں کو یورپی حکومتوں کی حمایت حاصل تھی، جس کے نتیجے میں کئی بغاوتیں ہوئیں۔ اس صورتحال نے سلطان کو معزول کر دیا اور اس کا بھائی محمد خامس تخت نشین ہوا۔

1911 میں اٹلی نے طرابلس پر قبضہ کر لیا، اور جنگ عظیم اول کے دوران ترکی کے عرب مقبوضات بھی ہاتھ سے نکل گئے۔ مصطفی کمال پاشا نے ترک قومیت کی تحریک کی قیادت کی اور انقرہ میں قومی حکومت قائم کی۔

1922 میں وطن پرست ترکوں نے کامیابی حاصل کی، اور سلطان محمد سادس قسطنطنیہ سے بھاگ کر مالٹا چلے گئے۔

عبد المجید ثانی کو خلیفہ مقرر کیا گیا، لیکن مصطفی کمال نے 1924ء میں خلافت ختم کر دی۔ اس طرح سلطنت عثمانیہ کا خاتمہ ہوا اور جدید ترکی جمہوری طرز حکومت اختیار کر گیا۔

3- سلطنت عثمانیہ پر تبصرہ

عثمانی سلاطین نے تقریباً چھ سو سال تک حکومت کی، اور اس دوران ان کی سیاسی حیثیت میں نمایاں تبدیلیاں آئیں۔ آرخان، جو پہلے عثمانی حکمران تھے، نے ملک کے اندرونی نظم و نسق کو بہتر بنایا اور "امیر" کا لقب اختیار کیا۔ بعد میں محمد فاتح نے قسطنطنیہ کی فتح کے بعد "سلطان" کا لقب حاصل کیا۔ 1517ء میں سلیم اول نے مملوکوں کو شکست دے کر خلافت کے حقوق حاصل کیے، جس کے نتیجے میں عثمانی سلاطین کو خلفاء عالم اسلام تصور کیا جانے لگا۔

عثمانی سلاطین کی حیثیت خلیفہ المسلمین کی تھی، جس کے تحت وہ مقدس مقامات کی حفاظت اور غیر مسلموں سے جہاد کا فرض سمجھتے تھے۔ انہوں نے اسلامی سلطنت کی توسیع میں اہم کردار ادا کیا، اور عباسی خلفاء کے مقابلے میں ان کی خدمات زیادہ نمایاں رہیں۔

سلطنت کا نظام حکومت مطلق العنان تھا، لیکن شریعت اور قومی رسم و رواج کی وجہ سے سلطان کے اختیارات محدود تھے۔ قوانین میں شرعی قوانین، سابق سلاطین کے تحریری فرامین، قومی رسم و رواج، اور عرف شامل تھے۔ ہر نئے عثمانی فرمانروا نے اپنے بھائیوں کو قتل کرنے کا دستور اپنایا، جو بعد میں شہزادوں کو نظر بند کرنے کی روایت میں تبدیل ہوا۔ فوجی نظام بھی ابتدائی طور پر غیر منظم تھا، لیکن سلطان بایزید نے "ینی چری" نامی منظم فوج قائم کی، جو عیسائی لڑکوں پر مشتمل تھی۔ یہ فوج اپنی شجاعت اور نظم و ضبط کے لیے مشہور تھی۔

باب عالی کا ادارہ اعلیٰ سطح کا مشاورتی ادارہ تھا جہاں منتخب کردہ لڑکے حکومت کے مختلف شعبوں میں شامل ہوتے تھے۔ تاہم، کمزور سلاطین کے دور میں اس ادارے کا نظم و ضبط کمزور پڑ گیا۔

خلافت عثمانیہ کا اختتام 1924ء میں ہوا جب مصطفی کمال پاشا نے خلافت کو ختم کر دیا، جس سے اسلامی دنیا میں ایک اہم تبدیلی آئی۔

3.1- سلطنت عثمانیہ کی طاقت:

سلطنت عثمانیہ کی تاریخ میں کئی اہم پہلو شامل ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں: سلطنت عثمانیہ کی بنیاد عثمان غازی نے 13ویں صدی میں رکھی۔ اس کے بعد، قسطنطنیہ کی فتح 1453ء میں محمد فاتح کے ذریعے ہوئی، جو اسلامی تاریخ کی ایک اہم کامیابی تھی۔ سلیم اول نے 1517ء میں مصر کو فتح کر کے خلافت کے حقوق حاصل کیے اور اسے پہلا خلیفہ قرار دیا گیا۔ سلطنت عثمانیہ کی بحری طاقت نے سولہویں صدی میں عیسائی طاقتوں کو خوفزدہ کیا، اور خیر الدین باربروسہ جیسے بحری کمانڈروں کی فتوحات نے سلطنت کی توسیع میں اہم کردار ادا کیا۔ عثمانی سلاطین نے علم و ادب کی سرپرستی کی، اور سلیم اول اور سلیمان اعظم جیسے سلاطین خود بھی شاعر تھے۔ سلطنت عثمانیہ کا معاشرہ مختلف اقوام پر مشتمل تھا، جن میں عیسائیوں کی بڑی تعداد شامل تھی، جن کے ساتھ رواداری کا سلوک کیا جاتا تھا۔ سلطنت کے زوال کا آغاز 17ویں صدی سے ہوا، جب یورپی طاقتوں نے اپنی بیداری کا آغاز کیا اور عثمانی سلطنت کمزور ہونے لگی۔ آخری سلطان محمد ششم کو انقلابیوں کے ہاتھوں جلاوطن کیا گیا، جس کے بعد 1922 میں سلطنت کا خاتمہ ہوا اور ترکی جمہوریہ کی بنیاد رکھی گئی۔ یہ تمام پہلو سلطنت عثمانیہ کی تاریخ کی اہمیت اور اس کے اثرات کو اجاگر کرتے ہیں۔

3.2- سلطنت عثمانیہ کی تباہی و بربادی کے اسباب:

عظیم سلطنت عثمانیہ کے زوال کے اسباب میں کئی اہم عوامل شامل ہیں۔ سلیمان اعظم کے بعد سلطنت میں تنزل کا آغاز ہوا، جس کے نتیجے میں ترک فوجیں مسلسل شکستوں کا سامنا کرنے لگیں، اور ان کی جنگی قابلیت متاثر ہوئی۔ اس دوران، آخری پچیس سلاطین ناکام اور نااہل ثابت ہوئے، جو جدید تقاضوں کے مطابق حکومتی امور کو سنبھالنے میں ناکام رہے۔ فوجی بھرتی میں غفلت اور بدعنوانیوں نے "ینی چری" فوج کی قوت کو کمزور کر دیا، جس کے باعث یہ ایک شورش پسند جماعت میں تبدیل ہو گئی۔ مزید برآں، علماء اور مشائخ کی قدیم تعلیم نے بھی سلطنت کی تباہی میں کردار ادا کیا، کیونکہ وہ جدید علوم سے ناواقف رہے اور سیاسی معاملات میں مداخلت کرنے لگے۔ خواتین کی مداخلت نے بھی صورتحال کو بگاڑ دیا، جیسے کہ سلیمان اعظم کی روسی بیوی نے اپنے بیٹے کے جانشینی کے لیے ہونہار شہزادے کو قتل کرایا۔ عیسائی رعایا کی ناراضگی اور یورپی طاقتوں کی مداخلت نے بھی سلطنت کی کمزوری میں اضافہ کیا، جس کے نتیجے

میں ترکی حکومت کے زوال کا عمل تیز ہوا۔ مجموعی طور پر، عثمانیہ سلطنت کی تباہی اخلاقی انحطاط، داخلی مداخلت، قومیت کے جذبات، اور یورپی اقوام کے جارحانہ عزائم کا نتیجہ تھی۔

4- قدیم ایران

عمومی طور پر انسانی تاریخ کا آغاز وادی دجلہ و فرات یعنی موجودہ عراق اور شام کی سرزمین سے ہوتا ہے، ایران کی تاریخ کا آغاز دو آریائی قبائل "میدی" یا "اماد" اور پارس کے سیاسی عروج سے شروع ہوتی ہے، تقریباً 1500 ق م میں آریائی نسل کے قبائل دریائے دجلہ کی مشرقی سرزمین میں داخل ہوئے اور دور تک پھیلتے گئے، ان کی ایک جماعت پاک و ہند کی طرف آئی اور دوسری کردستان کی پہاڑیوں کے درمیان اور گردونواح میں آباد ہوئی اور یہ علاقہ اس کی طرف منسوب ہو کر ایریانہ یا ایران کے نام سے موسوم ہوا۔ یہ علاقہ دور جدید کے لحاظ سے سمرقند، بخارا، آذربائیجان، اصفہان موجودہ ملک ایران اور افغانستان پر مشتمل تھا۔

ایران کی تاریخ کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک غیر اسلامی تاریخ اور دوسری اسلامی تاریخ، پہلے حصہ میں اس ملک میں بڑے بڑے عالمگیر شہرت کے حکمران گزرے ہیں جن میں سائرس اعظم، دارا اول، بخت نصر اور ساسانی خاندان جس کے معروف بادشاہ کیخرو، کیکباد، کیکائوس اور نوشیروان عادل مشہور ہیں۔

ایران کی اسلامی تاریخ کا آغاز دوسرے خلیفہ راشد حضرت عمرؓ کے دور سے ہوتا ہے تقریباً بیس ہجری تک تمام ایران اسلامی سلطنت کا حصہ بن چکا تھا اور بیس ہجری سے لے کر 255ھ تک یہ ملک باقاعدہ خلافت راشدہ، اموی سلطنت اور عباسی سلطنت کے ماتحت رہا اور عباسی سلطنت کے کمزور ہوتے ہی اس ملک پر مختلف اسلامی خاندانوں نے اپنی حکومتیں قائم کیں اور اس وقت سے لے کر آج تک تیرہ خاندانوں نے اس پر حکومت کی ہے اور موجودہ حکومت چودھویں حکومت ہے۔

خود آزمائی:

1. سلطنت عثمانیہ کیسے قائم ہوئی اور اس نے ایک طاقتور سلطنت کی شکل کیسے اختیار کی؟
2. سلطنت عثمانیہ کے عروج اور زوال کے اہم ترین عوامل کیا تھے؟
3. محمد فاتح اور سلیمان اعظم جیسے حکمرانوں نے سلطنت عثمانیہ کو کس طرح تقویت بخشی؟
4. سلطنت عثمانیہ کا نظام حکومت کیسا تھا اور اس میں خلیفہ کا کیا کردار تھا؟
5. سلطنت عثمانیہ کی ثقافتی اور علمی ترقی کے اہم پہلو کیا تھے؟

یونٹ نمبر9

جدید عالمِ اسلام

فہرست عنوانات

یونٹ کا تعارف: 181

یونٹ کے مقاصد: 182

1 عالم اسلام کے معنی 183

2 عالم اسلام کی تاریخ 183

3 عالم اسلام میں انتشار 184

4 عالم اسلام میں اختلاف کی کوششیں 185

5 دنیائے اسلام کے اہم ادارے 186

5.1 رابطہ عالم اسلامی: 187

5.2 اسلامی ملکوں کی تنظیم: 188

5.2.1 عالم اسلام کے اہم مسائل: 191

5.2.2 مسئلہ کشمیر: 191

5.2.3 مسئلہ فلسطین: 192

5.2.4 مسئلہ عراق: 192

5.2.5 مسئلہ افغانستان: 193

خود آزمائی: 194

یونٹ کا تعارف

انیسویں صدی کے آخری نصف میں برصغیر میں مسلم حکومت زوال کا شکار ہوئی، جبکہ اس صدی میں مغربی طاقتوں نے ترکی کی عثمانی خلافت کے بعض حصوں پر قبضہ کرنا شروع کر دیا، مسلمان حکومتیں اپنے اندرونی خلفشار، عدم استحکام کے ساتھ ساتھ جدید بین الاقوامی صورتحال سے کماحقہ واقف نہ ہو سکیں۔ یورپ نے جس صنعتی انقلاب کا آغاز کیا تھا اور ان کے ہاتھ نت نئی ایجادات و انکشافات نے ان کے فکر و نظر کو تبدیل کر کے رکھ دیا تھا۔ جبکہ مشرق میں ابھی تک فرقہ وارانہ اختلافات اور مسلکی رجحانات غالب تھے۔ اور مسلمان اہل فکر و نظر نے جدید نظریات و علوم سے ناواقف رہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب یورپی اقوام نے مسلمانوں پر جدید سائنسی مہارتوں اور ٹیکنالوجی سے لیس ہو کر حملہ کیا تو اس کا مقابلہ کرنا مشکل ہو گیا۔ آخر کار پورا عالم اسلام مغربی طاقتوں کا غلام بن گیا۔ بیسوی صدی آخری نصف میں عالم اسلام کے اندر بیداری اور آزادی کی تحریکات کا آغاز ہوا۔ مختلف اسلامی ممالک وجود میں آئے جو جدید قومی رجحانات کے تحت قائم ہوئے۔ اس وقت پچاس سے زیادہ مسلم ممالک ہیں اور بعض غیر مسلم ممالک میں ایک غالب اکثریت مسلم اقلیت کی بھی ہے۔ جدید دنیائے اسلام کا مطالعہ تاریخ اسلام کے طالب علم کے لئے ضروری ہے کہ خلافت عثمانیہ کے زوال کے بعد اب یہی مغربی ریاستیں ہی مسلم غالب اکثریت کی نمائندہ ہیں۔ تاہم ان کے اپنے اپنے سیاسی، معاشی و معاشرتی مسائل ہیں جس سے نبرد آزما ہیں۔

اس یونٹ میں ہم جدید دنیائے اسلام کی تاریخ کے اجمالی تعارف کا مطالعہ کریں گے۔

یونٹ کے مقاصد

امید ہے کہ اس یونٹ کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ

1. عالم اسلام کے معنی کو سمجھیں گے نیز یہ کہ عالم اسلام کی تعریف میں کیا تبدیلیاں آئی ہیں۔
2. عالم اسلام کی تاریخ کا مختصر جائزہ لیں گے۔ آپ اسلام کی پیدائش، اس کے پھیلاؤ، اور اس کے عروج وزوال کے اہم مراحل کا مطالعہ کریں گے۔
3. عالم اسلام میں پائے جانے والے مختلف فرقوں اور مسالک کے بارے میں جان سکیں گے۔
4. ان فرقوں اور مسالک کی وجہ سے عالم اسلام میں کبھی کبھی اختلافات کیوں پیدا ہو جاتے ہیں۔
5. عالم اسلام میں اتحاد کی مختلف کوششوں کے بارے میں جان سکیں گے۔
6. اسلامی ملکوں کی تنظیم اور رابطہ عالم اسلامی جیسے اداروں کے کردار کا بھی جائزہ لیں گے۔
7. عالم اسلام کے سامنے موجود مختلف تحدیات، جیسے کہ غربت، تعلیم، اور سیاسی عدم استحکام کے بارے میں جان سکیں گے۔ نیز یہ کہ ان تحدیات کا مقابلہ کیسے کیا جا سکتا ہے۔

1- عالم اسلام کے معنی

عالم اسلام دو الفاظ کا مجموعہ ہے ، عالم (لام کی زبر کے ساتھ) سے مراد دنیا یا جہاں ہے۔ یہ لفظ حالت اور کیفیت کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ جس طرح عالَم برزخ، عالم آخرت کے الفاظ میں بھی لفظ عالم اسی مفہوم یعنی دنیا یا جہاں کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اسی سے ایک لفظ عالمی بھی بولا جاتا ہے۔ ویسے یہ لفظ اسم جمع ہے لیکن اس کی جمع عالمین استعمال ہوتی ہے جس طرح قرآن پاک میں وارد ہے۔ رب العالمین (تمام جہانوں کو پالنے والا)۔

لفظ اسلام ایک دین اور نظریہ کا نام ہے جس کے لغوی معنی خدا تعالیٰ کے حکم پر گردن جھکا دینا ہے ، مجموعی طور پر اس سے مراد وہ دین ہے جسے آج سے پندرہ صدیاں قبل حضرت محمد ﷺ لائے تھے، اس دین کے ماننے والوں کو مسلم یا مسلمان کہا جاتا ہے۔

2- عالم اسلام کی تاریخ

عالم اسلام جسے انگریزی میں (Islamic World) کہا جاتا ہے سے مراد مسلمانوں کی دنیا یا مسلمانوں کا جہان ہے، گویا کہ زمین پر بسنے والے مسلمانوں کے حالات عالم اسلام کہلاتے ہیں، یوں تو دنیا کے ہر ایک براعظم ملک اور خطے میں مسلمان آباد ہیں تاہم مسلمانوں کی بیشتر آبادی قدیم براعظموں (ایشیا، افریقہ و یورپ) میں رہتی ہے۔ یہ تینوں براعظم ایک دوسرے سے متصل ہیں۔ جن میں خشکی اور آبی راستوں کے ذریعہ ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا آسان رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جنوبی مغربی ایشیا کے تین بڑے مذاہب (یہودی، عیسائی اور اسلام) با آسانی ایشیا، افریقہ اور یورپ کے علاقوں میں تیزی سے پھیلے، جزیرہ نما عرب کی سرزمین مقدس سے اٹھ کر مذہب اسلام کی روشنی نے شام، عراق، ایران، فلسطین، ترکی، آذربائیجان، افغانستان، وسط ایشیا، چین، برصغیر ہندو پاکستان و بنگلہ دیش، برما اور بحر ہند کے راستے ملائیشیا، انڈونیشیا، فلپائن اور برونائی جیسے دور دراز کے علاقوں کو منور کیا۔ خشکی ہی کے راستے اسلام کے جانباز سپاہیوں نے مصر، الجزائر، تیونس، مراکش کو فتح کیا اور آبنائے طارق (جبرالٹر) کو پار کر کے اندلس (سپین)، پرتگال اور جنوبی فرانس کی سرحدوں پر عالم اسلام کا پرچم لہرایا۔ بعد ازاں براعظم افریقہ کے گرم خشک ریگستانوں کو عبور کرتے ہوئے دین اسلام کو کم گنجان آباد بیابانوں میں واقع نخلستان میں پھیلایا، ان پتھریلے، افتادہ صحراؤں کو پار کرتے ہوئے سوڈان، ایتھوپیا، چاڈ، بالائی وولٹا، نائجر، نائیجیریا، سینیگال، گنی بساؤ، کیمرون اور گنی کے گھاس کے میدانوں اور

سدا بہار استوائی جنگلات میں اسلام کی شمع روشن کرتے ہوئے بحر اوقیانوس کو چھولیا، ادھر وسطی ایشیا میں قزل کم اور کراکم کے سرخ اور سیاہ ریگ زاروں کو پار کرتے ہوئے قزاقستان، کرگیزیا، تاتار اور دالگا سے گزر کر پولینڈ اور بحیرہ بالٹک تک اپنا اثر ورسوخ قائم کیا۔

عالم اسلام کو قلمبند کرنے میں ایک بڑی دشواری ملکوں کے انتخاب کی ہے۔ بہت سے ملکوں علاقوں اور جزیروں میں مسلمانوں کی بڑی آبادی ہے لیکن وہ اسلامی ملک یا اسلامی علاقے نہیں کہے جاسکتے۔ مثال کے طور پر انڈونیشیا کے بعد سب سے زیادہ مسلمان ہندوستان میں رہتے ہیں لیکن بھارت ایک سیکولر جمہوریہ ہے اور تنظیم ممالک اسلامی (OIC) کا رکن بھی نہیں ہے۔ اس طرح فلپائن کے منڈانوا (Mindanao) اور پالاوان (Palawan) جزائر، چین کے صوبہ سنکیانگ، شانسی اور شینسی، روس کے تاتاری علاقوں کینیا، موزمبیق، البانیہ، یوگوسلاویہ، بلغاریہ اور مالٹا وغیرہ میں مسلمانوں کی خاصی بڑی تعداد موجود ہے لیکن یہ تنظیم ممالک اسلامی کے نہ تو ممبر ہیں اور نہ ہی اسلامی جمہوریائیں۔

3- عالم اسلام میں انتشار

اسلام میں اگرچہ مسلمانوں کے باہمی اتحاد واتفاق پر زور دیا گیا ہے اور انتشار اور افتراق سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے لیکن اس کے باوجود مسلمان افتراق کے اس فتنہ کا جلد ہی شکار ہوگئے۔ دعوت اسلامی کے آغاز کو ابھی 45 سال ہی ہوئے تھے اور اسلامی جماعت کے سیاسی ڈھانچے کی تشکیل کے بعد صرف 35 سال گزرے تھے کہ تیسرے خلیفہ راشد حضرت عثمانؓ شہید کر دیئے گئے اور اس طرح تاریخ اسلام میں پہلی مرتبہ خانہ جنگی کا آغاز ہوا۔ جس کا سلسلہ آج تک جاری ہے، 41ھ (661ء) میں حضرت حسنؓ کے دانشمندی اور ایثار نے مسلمانوں کے منتشر شیرازہ کو بظاہر پھر ایک لڑی میں پرو دیا لیکن اختلاف اور افتراق کی جو بنیاد پڑ چکی تھی وہ بڑھتی ہی رہی۔ انتشار اور افتراق کی ان قوتوں کے باوجود مسلمان 132ھ (750ء) تک ایک سیاسی ڈھانچہ کے تحت متحد اور منظم رہے لیکن اس سال بنی امیہ کی خلافت کے خاتمہ کے ساتھ یہ سیاسی اتحاد بھی ختم ہوگیا۔ 138ھ (756ء) تک اسلامی دنیا دو سیاسی وحدتوں میں تقسیم ہوگئی۔ ایک بغداد کی عباسی خلافت اور دوسری اندلس کی اموی امارت۔ 169ھ (758ء) میں مراکش میں ادریسی خاندان کی حکومت کے قیام کے بعد اسلامی دنیا تین حکومتوں میں تقسیم ہوگئی۔ یہ صورت حال تقریباً ایک سو سال اور قائم رہی،

اس کے بعد یعنی تیسری صدی ہجری کے نصف آخر سے اسلامی دنیا شدید طوائف الملوکی کا شکار ہو گئی اور وہ خطہ جو ایک سو بتیس سال تک ایک سیاسی وحدت کے تحت رہا اب اس میں بیشمار حکومتیں قائم ہو چکی تھیں۔ یہ صورتحال آج تک قائم ہے اور اسلامی دنیا اس وقت کم و بیش 50 آزاد اور متعدد نیم آزاد اور غلام سیاسی وحدتوں میں تقسیم ہے۔

مسلمانوں کو جب تک عروج حاصل رہا، انہوں نے اتحاد کی ضرورت کو کبھی سنجیدگی سے محسوس نہیں کیا، صلیبی جنگیں، اندلس کا المیہ اور تاتاریوں کی یلغار اور سقوط بغداد ان میں سے کوئی بھی مسلمانوں کو اتحاد کی طرف مائل نہ کر سکا۔ یہ سب مقامی اور وقتی حادثے تھے، ہر علاقے کے مسلمانوں نے ان کا کسی نہ کسی طرح سامنا کر لیا اور خطروں کو دور کر دیا۔ ان خطروں کے ٹلنے کے بعد مسلمان پہلے سے بھی زیادہ قوت کے مالک بن گئے۔ مختصر یہ کہ مسلمانوں کو ایک ہزار سال تک کسی ایسے خطرے کا سامنا نہیں کرنا پڑا جو پوری ملت اسلامیہ کیلئے تباہ کن ثابت ہو، لیکن 1699ء میں کارلووٹز کے معاہدے کے بعد جس کے تحت عثمانی ترکوں کو ہنگری سے دست بردار ہونا پڑا۔ مسلمان یورپ کے مقابلے میں ایسی پسپائی پر مجبور ہوئے کہ جس کا سلسلہ 1918ء میں پہلی جنگ عظیم کے خاتمے تک پورے دو سو انیس سال جاری رہا۔

4- عالم اسلام میں اختلاف کی کوششیں

مسلمان جہاں جہاں بھی گئے انہوں نے اسلام اور دین حق کے نور سے سینوں کو روشن کیا۔ لوگوں کے فکر و عمل میں انقلاب برپا کیا، جہاں انہیں غلبہ نصیب ہوا، انہوں نے امن و انصاف، حق و صداقت اور انسان دوستی کی لازوال مثالیں قائم کیں لیکن جب بھی دوسرے عناصر کو مسلمانوں کی کمزوری اور انتشار کے نتیجے میں بالادستی حاصل ہوئی تو انہوں نے ظلم و جبر اور تشدد کے بل پر مسلمانوں کو زیر دست ہی نہیں بنایا۔ ان کے الگ ملی اور دینی تشخص کو تباہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کی اور یہ سلسلہ برابر جاری رہا۔ عدل و انصاف، جمہوریت و مساوات اور انسانی حقوق کے سارے دعوے اور سارا درد مسلمانوں کے معاملے میں اس طرح ہوا ہو جاتا ہے کہ بڑے سے بڑے ظلم اور دھاندلی اور ناانصافی بھی مسلمانوں کے خلاف بالکل جائز، درست اور برحق تسلیم کی جاتی ہے۔ یہودی پروپیگنڈے اور ان کی بھرپور منظم سازش کے زیر اثر عیسائی دنیا نے یورپ، افریقہ، ہند چین اور امریکہ میں مسلمانوں کو اول تو انتہائی بیدردی سے بڑی وسیع پیمانے پر موت کے گھاٹ اتارا اور جہاں اس کے باوجود اسلام کے اثرات محو نہ ہو سکے وہاں مسلمانوں کو جابرانہ قوانین کے ذریعہ اسلامی معاشرت سے بیگانہ

کرکے لادین طرز زندگی میں ضم کرنے کے متواتر اور مسلسل اقدامات کئے۔ اس سب کے باوجود آج دنیا کا شاید ہی کوئی گوشہ ایسا ہو جہاں اسلام کے نام لیوا پائے نہ جاتے ہوں۔ بیسویں صدی کا نصف آخر مسلمانوں کی عمومی بیداری کا دور ہے جس کے نتیجے میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی تحریکیں ہر جگہ ابھر رہی ہیں اور ان کو دبانے اور کچلنے کی ساری تدبیریں اور کوششیں ان کی راہ کھوٹی کرنے اور ان کی قوت کو توڑنے میں ناکام ثابت ہو رہی ہیں۔

5- دنیائے اسلام کے اہم ادارے

اتحاد اسلامی کو تقویت دینے کے سلسلے میں اب تک جو بین الاقوامی اسلامی اجتماعات ہوئے وہ حسب ذیل ہیں:

1. 1908ء میں پہلی بین الاقوامی اسلامی کانفرنس قاہرہ میں ہوئی تھی یہ کانفرنس روس کے عظیم مسلمان رہنما اسماعیل گسپرالی کی کوششوں سے ہوئی تھی لیکن وہ خود اس میں شریک نہ ہو سکے۔
2. 1926ء میں دوسری اسلامی کانفرنس مکہ میں ہوئی، اس کو سلطان ابن سعود نے طلب کیا تھا یہ پہلی کانفرنس تھی جس کو موتمر عالم اسلامی کا نام دیا گیا تھا۔
3. 1927ء میں علمائے ازہر کی کوششوں سے تیسری اسلامی کانفرنس 13 تا 19 مئی قاہرہ میں ہوئی۔
4. 1931ء میں چوتھی بین الاقوامی اسلامی موتمر مفتی اعظم فلسطین الحاج امین الحسینی کی کوششوں سے 6 دسمبر سے 15 دسمبر 1931ء تک بیت المقدس میں ہوئی۔ اس میں پاکستان اور اسلامی ہند سے علامہ اقبال اور مولانا شوکت علی نے شرکت کی تھی۔
5. 1934ء میں پانچویں اسلامی کانفرنس جنیوا (سوئٹزرلینڈ) میں ہوئی۔ اسے شامی رہنما امیر شکیب ارسلان نے طلب کیا تھا اس میں یورپ کے ملکوں سے مسلمان رہنما کثرت سے آئے۔
6. 1949ء میں چھٹی بین الاقوامی اسلامی کانفرنس کراچی میں ہوئی، اس کو ایک مقامی تنظیم جمعیت اخوت الاسلامیہ نے طلب کیا تھا۔ یہ کانفرنس 18 مئی تا 19 مئی مولانا شبیر احمد عثمانی کی زیر صدارت میں ہوئی۔
7. اسی سال یعنی 1949ء میں 25 نومبر سے 10 دسمبر تک کراچی میں پہلی بین الاقوامی اقتصادی اسلامی کانفرنس کراچی میں ہوئی جس کا افتتاح وزیر اعظم پاکستان لیاقت علی خان نے کیا اس میں اٹھارہ اسلامی ملکوں

نے شرکت کی اور اس میں اسلامی ایوان ہائے تجارت و صنعت کے بین الاقوامی وفاق کی تشکیل کا فیصلہ کیا گیا۔

8. 1952ء میں آٹھویں بین الاقوامی اسلامی کانفرنس بھی کراچی میں مئی کے مہینے میں ہوئی اس میں ترکی کے ممتاز قانون دان علی فواد باشگل نے شرکت کی۔

9. 1953ء میں موتمر عالم اسلامی کا ایک اجتماع ہوا جس میں پاکستان سے مولانا مودودی کو شرکت کی دعوت دی گئی تھی لیکن مولانا نظر بندی کی وجہ سے اجلاس میں شریک نہ ہو سکے۔

10. 1956ء میں دمشق میں موتمر عالم اسلامی کا اجلاس ہوا جس میں پاکستان سے مولانا مودودی نے شرکت کی اور ایک اجلاس کی صدارت بھی کی اور وہ موتمر کی تبلیغ و دعوت اسلامی کی کمیٹی کے صدر منتخب ہوئے۔

نصف صدی کی ان کوششوں کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ بالآخر ایک مضبوط بین الاقوامی اسلامی تنظیم کیلئے راہ ہموار ہو گئی، سعودی حکومت نے اس سلسلے میں پہل کی اور اس کی امداد اور تعاون سے دنیائے اسلام کے چار ممتاز رہنماؤں کا ایک اجتماع 1962 میں حج کے موقع پر مکہ معظمہ میں ہوا، اس اجتماع میں رابطہ عالم اسلامی (The World Islamic League) کے نام سے ایک مرکزی تنظیم قائم کی گئی، اس مجلس کی تاسیس کیلئے ہندوستان سے مولانا ابو الحسن علی ندوی اور پاکستان سے سید ابو الاعلیٰ مودودی منتخب کئے گئے، اسی طرح دوسرے اسلامی ملکوں سے ممتاز لوگ اس میں شامل ہیں۔

5.1- رابطہ عالم اسلامی:

رابطہ عالم اسلامی دراصل ایک نیم سرکاری ادارہ ہے، اپنی مالی امداد کیلئے سعودی عرب کی حکومت کا محتاج ہے اور سعودی حکومت کی مصلحتیں اس کی پالیسی پر اثر انداز ہوتی ہیں، لیکن اس کے باوجود یہ ایک مفید ادارہ ہے اور اپنی کارروائیوں میں بڑی حد تک خود مختار ہے، سعودی عرب سے وابستگی کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ ادارہ کو اپنی سرگرمیوں کیلئے وافر مقدار میں فنڈز فراہم ہو جاتے ہیں جس کی وجہ سے رابطہ کی مختلف ذیلی شاخیں وسیع پیمانہ پر اشاعت اسلام کا کام سرانجام دے رہی ہیں۔ اس کے علاوہ رابطہ اسلامی دنیا کے مسائل میں گہری دلچسپی لیتا ہے۔ اگرچہ اس کی سرگرمیوں کا محور مسئلہ فلسطین ہے لیکن مسئلہ کشمیر، فلپائن کے مسلمانوں کا جہاد آزادی، ٹپانی کا مسئلہ، صومالیہ میں

مہاجرین کا مسئلہ، قبرص، افغانستان اور اری ٹیریا کی طرح دوسرے مسئلوں پر بھی ضروری توجہ دی جاتی ہے، اس وقت رابطہ کے تحت جو ذیلی شاخیں کام کر رہی ہیں ان میں سے چند ایک یہ ہیں:

عالمی کونسل برائے مساجد: اس کونسل کا صدر دفتر مکہ معظمہ میں ہے ارکان کی تعداد چالیس ہے جو پوری اسلامی دنیا سے لئے گئے ہیں۔ پاکستان سے میاں طفیل محمد رکن تھے، کونسل کا کام دنیا بھر میں مسجدوں کی تعمیر، مرمت اور تجدید کیلئے مالی امداد فراہم کرنا ہے۔

اسلامی مجلس فقہ: رابطہ عالم اسلامی کی ایک اور ذیلی شاخ "اسلامی مجلس فقہ" ہے جو بیس افراد پر مشتمل ہے۔ یہ افراد الجزائر، پاکستان، تیونس، انڈونیشیا، عراق، لبنان، موری تانیا، نائیجیریا اور ہندوستان سے لئے گئے ہیں۔

اسلامی رابطہ کونسل برائے افریقہ: اسلامی رابطہ کونسل برائے افریقہ بھی رابطہ عالم اسلامی ایک اہم شاخ ہے، اس کا مرکز سینیگال کا صدر مقام ڈاکار ہے جہاں سے اس کا پہلا اجلاس 1976ء کو ہوا تھا، اس کونسل کا مقصد افریقہ کی ساحلی تنظیموں کے درمیان باہمی رابطوں کو مضبوط بنانا ہے تاکہ افریقہ میں غیر اسلامی سرگرمیوں کا زیادہ قوت کے ساتھ مقابلہ کیا جاسکے اور اسلام کی اشاعت کی جاسکے۔

5.2- اسلامی ملکوں کی تنظیم:

جس طرح رابطہ عالم اسلامی دنیائے اسلام کی غیر سرکاری تنظیم ہے اسی طرح اسلامی ملکوں کی تنظیم اسلامی دنیا کی سرکاری تنظیم ہے جو تمام اسلامی ملکوں کی حکومتوں پر مشتمل ہے چونکہ یہ تنظیم ستمبر 1969ء میں رباط میں اسلامی ملکوں کے سربراہوں کی کانفرنس کے فیصلوں کے تحت قائم کی گئی اس لئے اس کا صحیح نام اسلامی کانفرنس تنظیم ہے۔

9رجب / 22 ستمبر تا12رجب / 25 ستمبر 1969ء(1389ھ) میں تقریباً چالیس سربراہوں کا جو اجتماع ہوا تھا وہ تاریخ ساز واقعہ ہے، کیونکہ اسلامی تاریخ میں پہلی مرتبہ تمام اسلامی ممالک کے سربراہ اس اجتماع میں شریک ہوئے تھے، اس اجتماع نے اتحاد اسلام کے اس خواب کو حقیقت کا جامعہ پہنا دیا جو جمال الدین افغانی نے سو سال پہلے دیکھا تھا۔ رابطہ عالم اسلامی کی تشکیل کی طرح مسلمان سربراہوں کے اس اجتماع کے سلسلے میں اور اس کے بعد اسلامی ملکوں کی تنظیم کی تشکیل میں بھی بنیادی کردار سعودی عرب اور شاہ فیصل نے ادا کیا تھا، اس کے بعد اسلامی سربراہوں کی کانفرنس اور اسلامی وزرائے خارجہ کی کانفرنس کے اجتماعات معمولات میں سے ہو گئے۔

اسلامی ملکوں کی تنظیم ستمبر 1969ء میں رباط میں مسلمان سربراہوں کی کانفرنس کے فیصلوں اور اس کے بعد مارچ 1970ء میں جدہ میں اور ستمبر 1970ء میں کراچی میں اسلامی وزرائے خارجہ کی کانفرنسوں کے فیصلوں کے نتیجے میں مئی 1971ء میں قائم کی گئی تھی۔ صدر دفتر جدہ میں ہے جو اسلامی سیکرٹریٹ کہلاتا ہے۔

اسلامی تنظیم کے تحت گزشتہ دس سالوں میں ادارے قائم کئے گئے وہ حسب ذیل ہیں:

1۔ **بین الاقوامی اسلامی خبر رساں ایجنسی:**

یہ دسمبر 1972ء میں قائم کی گئی لیکن بعض اسباب کی بنا پر ابھی تک کام شروع نہیں کر سکی۔ صرف دفتر قائم ہے۔

2۔ **اسلامی کمیشن برائے معاشی، ثقافتی اور سماجی امور (ICEASA):**

یہ اسلامی تنظیم کا خاص ادارہ ہے، وزرائے خارجہ کانفرنسوں میں منظور کی جانے والی قراردادوں پر عملدرآمد کی ذمہ داری اسی ادارہ پر ہے، یہ کمیشن لاہور میں ہونے والی دوسری سربراہی کانفرنس (1974ء) کے فیصلوں کے مطابق قائم کیا گیا ہے۔

3۔ **اسلامی ترقیاتی بینک:**

یہ بینک 1974ء میں قائم ہوا لیکن کام کا صحیح معنوں میں آغاز جنوری 1977ء سے ہوا، صدر دفتر جدہ میں ہے۔ اڑھائی ارب ڈالر کے سرمایہ سے شروع کیا گیا ہے اور اسلامی ملکوں کو بلاسودی قرضے فراہم کرتا ہے، سعودی عرب کے ڈاکٹر علی محمد صدر ہیں۔

4۔ **اسلامی استحکام فنڈ (ISF):**

یہ فنڈ لاہور کی سربراہی کانفرنس 1974ء کی ایک قرارداد کے تحت قائم کیا گیا ہے اس کا مقصد اسلامی ممالک میں ہونے والی دینی، تعلیمی اور سماجی کاموں میں مدد کرنا اور ان کا معیار بلند کرنا ہے۔

5۔ **اسلامی ایوان تجارت، صنعت و تبادلہ اجناس:**

اس کا صدر دفتر کراچی میں ہے۔ ایوان کا پہلا اجلاس فروری 1980ء میں ڈاکار (سینیگال) میں ہوا تھا۔

6۔ اسلامی ملکوں کی نشریاتی تنظیم (ISBO):

صدر دفتر جدہ میں ہے اس تنظیم کا مقصد اسلامی ملکوں کے نشریاتی پروگراموں کو اسلامی تعلیمات سے ہم آہنگ کرنے میں مدد دینا ہے۔

7۔ اعداد و شمار اور معاشی اور سماجی ترقی اور تربیت کا مرکز:

یہ مرکز 1978ء میں قائم کیا گیا، صدر دفتر انقرہ (ترکی) میں واقع ہے۔

8۔ فنی اور پیشہ وارانہ تربین اور تحقیق کا مرکز:

ڈھاکہ میں مارچ 1981ء میں سنگ بنیاد رکھا گیا۔ 1983ء سے کام شروع کیا ہے۔

9۔ اسلامی تاریخ، آرٹ اور کلچر کا تحقیقی مرکز:

یہ مرکز استنبول (ترکی) میں قائم کیا گیا ہے اور اس کے لئے استحکام فنڈز نے رقم فراہم کی ہے۔

10۔ اسلامی بینکنگ ٹریننگ انسٹیٹیوٹ:

یہ ادارہ 27 مارچ 1981ء کو قبرص میں قائم کیا گیا۔

11۔ اسلامک کونسل آف یورپ:

یہ کونسل اسلامی وزرائے خارجہ کی تیسری اور چوتھی کانفرنس کی قراردادوں کی تکمیل میں مئی 1973ء میں قائم کی گئی اس کا صدر دفتر لندن میں ہے۔

مذکورہ بالا اداروں کے علاوہ دو اور ادارے بھی ہیں جن کا اگرچہ اسلامی ملکوں کی تنظیم سے تعلق نہیں لیکن وہ بھی بین الاقوامی اہمیت کے حامل ہیں، ان میں ایک شاہ فیصل فاؤنڈیشن ہے جو 1976ء میں شاہ فیصل شہید کی یاد میں قائم کی گئی اور جس کی طرف سے ہر سال اسلامی اور علمی و ادبی کارناموں پر شاہ فیصل ایوارڈ دیا جاتا ہے۔ یہ اسلامی دنیا کا پہلا اور سب سے بڑا انعام ہے اور یورپ کے نوبل انعام کی طرح ہے یہ انعام دو لاکھ ریال کا ہوتا ہے۔

دوسرا ادارہ ''اسلامی بینکوں کی بین الاقوامی ایسوسی ایشن'' ہے جس کے صدر شاہ فیصل کے صاحبزادے شہزادہ محمد فیصل ہیں، اس کا مقصد بینکوں کو اسلامی اصولوں کے مطابق چلانے میں مدد دینا ہے۔ براعظم ایشیا سے براعظم افریقہ و یورپ تک مسلم قومی ریاستوں کا وجود اس بات کی عکاسی کر رہا ہے کہ اسلام ایک عالمگیر دین ہے، اس

کی تعلیمات ہمہ گیر اور جامع ہیں۔ اس کے اندر کوئی لسانی، وطنی اور علاقائی تعصبات نہیں۔ عالم اسلام کے آپس کے اختلاف کے خاتمے کیلئے ایک ہی کلیہ ہے کہ اسلام کی تعلیمات کو ہمیشہ پیش نظر رکھ کر اختلافات کا خاتمہ کیا جائے۔ عالم اسلام کے پچاس سے زائد مسلم ممالک نے اپنے مسائل کے حل کیلئے ایک مشترکہ فورم بھی تشکیل دے رکھا ہے۔ جسے OIC یعنی "آرگنائزیشن آف اسلامک کانفرنس" جس کے زیر اہتمام وہ آپس کے اختلافات کو حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اس تنظیم کے ذیلی اداروں کے ذریعے عالم اسلام کی سائنسی و علمی ترقی کیلئے بھی ادارے کام کر رہے ہیں۔ اس طرح کچھ اور تنظیموں مثلاً "رابطہ عالم اسلامی" وغیرہ بھی اہم کردار ادا کر رہی ہیں۔

5.2.1- عالم اسلام کے اہم مسائل:

آج عالم اسلام گوناگوں مسائل سے دوچار ہے، ان میں سے بعض مسائل اس کے اپنے پیدا کردہ ہیں جیسے فرقہ وارانہ اختلافات، نسلی و لسانی تعصبات، غربت و افلاس، تعلیمی پسماندگی و جہالت اور دہشت گردی وغیرہ اور کچھ مسائل عالمی طاقتوں اور استعماری اور طاغوتی قوتوں کے پیدا کردہ ہیں جو عالم اسلام کی فکری پختگی، نظریاتی وحدت اور اسلامی نظریہ حیات سے وابستگی سے خائف ہیں اور عالم اسلام کو منتشر کرنے اور ان میں سیاسی اور معاشی مسائل پیدا کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ عالم اسلام کے اہم ترین مسائل میں یہاں چند ایک کا ذکر کیا جاتا ہے۔

الف۔ مسئلہ کشمیر

ب۔ مسئلہ فلسطین

ج۔ مسئلہ عراق

د۔ مسئلہ افغانستان

5.2.2- مسئلہ کشمیر:

برصغیر پاک و ہند میں برطانوی استعمار نے تقریباً ایک صدی حکومت کی ہے اور ان کے اقتدار کا بنیادی فلسفہ، تقسیم اور اقتدار حکومت پر مبنی تھا انہوں نے اس خطہ میں بسنے والی اقوام میں اس کے بیج بوئے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب ہندوستان آزاد ہوا تو مسلمانوں پر بے پناہ ظلم و ستم ہوا اور جن جن علاقوں میں مسلم اکثریت تھی اور جن کو پاکستان یا ہندوستان سے الحاق کا اختیار تھا ان میں ریاست جموں و کشمیر بھی شامل تھا، مگر بدقسمتی سے وہاں کے حکمرانوں نے اپنی

رعایا کی رائے کے برعکس ہندوستان سے الحاق کرنے کا فیصلہ کر دیا۔ جس سے آغاز میں ایک مسئلہ پیدا ہو گیا، اس وجہ سے دونوں ملکوں کے مابین تین جنگیں ہوئیں اور ہندوستان نے اقوام متحدہ میں اس قرارداد کی حمایت کی جس میں کہا گیا ہے کہ کشمیر کے رہنے والوں کو حق خود ارادیت کے تحت مکمل اختیار ہے کہ وہ جس ملک کے ساتھ چاہیں الحاق کر لیں۔ مگر بعد میں ہندوستان اس قرارداد سے مکر گیا، کشمیر اور اہل کشمیر نے ظالم و جابر حکمرانوں کے خلاف مسلح جدوجہد شروع کر دی، کئی جہادی تحریکات نے آزادی کشمیر کے لئے قربانیاں دیں اور یہ تحریک اب تک رواں دواں ہے۔

5.2.3- مسئلہ فلسطین:

دوسری جنگ عظیم کے بعد جب ترکی کے حصے بخرے کئے گئے تھے۔ فلسطین میں صیہونی تحریکات جس کو برطانوی اور مغربی طاقتوں کی حمایت حاصل تھی۔ ایک یہودی ریاست اسرائیل کی بنیاد رکھی۔ اس وقت عالم اسلام اسرائیل کے وجود کے خلاف ہے اور وہ فلسطین کے عوام کے ایک جائز مطالبہ کی حمایت کرتا ہے۔ اسرائیل نے آہستہ آہستہ عرب ممالک شام، مصر، اردن اور لبنان کے سرحدی علاقوں میں اپنے توسیع پسندانہ عزائم جاری رکھے ہوئے ہیں اور فلسطین کے عوام دربدر کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔ عالم اسلام میں "القدس کمیٹی" اور بیت المقدس کی حفاظت کیلئے کئی اقدامات کئے ہیں۔ مگر عالمی طاقتیں عربوں کی نااتفاق سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسرائیل کی حمایت اور اس کے وجود کو برقرار رکھنے میں مدد دے رہی ہیں۔

5.2.4-مسئلہ عراق:

عراق اسلامی خلافت کا مرکز رہا ہے، خلافت عثمانیہ کے زوال کے بعد وہاں برطانوی تسلط قائم ہوا، عراق نے آزادی کی جنگ لڑی اور ایک آزاد مملکت کی صورت میں عالم پر نظر آیا، پہلے پہل بادشاہت قائم ہوئی، بعد ازاں عرب قومیت کی حامل بعث پارٹی نے انقلاب کے ذریعے وہاں بادشاہت ختم کر دی اور صدام حسین صدر بنے۔ ایرانی انقلاب کے بعد عراق اور ایران کے مابین خلیج نے ایک جزیرہ سے متعلق اختلاف پیدا ہوا، جو جنگ خلیج کی صورت میں رونما ہوا ، تقریباً 8 سال تک یہ جنگ جاری رہی، ابھی عراق اس جنگ سے فارغ ہوا تھا کہ صدر صدام حسین نے کویت پر چڑھائی کر دی، کویت کی حمایت و مدد کی غرض سے مغربی و اتحادی قوتوں نے عراق پر حملہ کر دیا اور اس کو شکست کی ہزیمت اٹھانی پڑی۔ امریکہ نے ایٹمی اسلحہ اور کیمیائی ہتھیاروں کی تیاری کا بہانہ کر کے پہلے عراق کی اقتصادی ناکہ بندی کی بعد

ازاں اس پر حملہ کر کے عراق کے تمام علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ صدام حکومت معزول کر دی اور صدام کو قید کر لیا گیا، دو سال کے عدالتی ٹرائل کے بعد صدام حسین کو پھانسی دے دی گئی۔ اب عراق پر امریکی حمایت یافتہ عراقیوں کی حکومت ہے جس کے خلاف عوام مزاحمت آئے روز بڑھتی جا رہی ہے۔ ہر روز سینکڑوں افراد فتنہ و فساد میں قتل ہو رہے ہیں۔

5.2.5-مسئلہ افغانستان:

افغانستان ہمیشہ سے ایک آزاد و خود مختار ملک کی حیثیت سے اپنا وجود منواتا رہا ہے۔ 1979ء میں روسی فوجوں نے افغانستان پر قبضہ کر لیا، جس کے خلاف پورے عالم اسلام میں شدید رد عمل دیکھنے کو آیا۔ افغانستان کے عوام نے روسی افواج کی جارحیت کے خلاف مسلح جدوجہد کا آغاز کیا۔ اس جہاد میں پورے عالم اسلام سے نوجوان شریک ہوئے۔ پاکستان کی غیر متزلزل حمایت و امداد کی بدولت افغانستان کے عوام نے اپنے وطن سے روسی فوجوں کو نکلنے پر مجبور کر دیا۔

روسی افواج کے تسلط کے بعد وہاں مجاہدین کی حکومت قائم ہوئی، مگر آپس کے اختلافات اور قبائلی نظام کی وجہ سے کامیاب نہ ہو سکی اور ایک عرصہ تک خانہ جنگی کی صورتحال رہی، آخر کار افغان طالب علموں نے جنہیں طالبان کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ایک تحریک کی بنیاد پر پورے افغانستان پر قبضہ کر کے اسلامی حکومت قائم کر دی۔ طالبان کی اس حکومت نے افغانستان میں امن و امان کی صورتحال کو کنٹرول کیا اور ایک مستحکم نظام وضع کیا مگر مغربی طاقتیں جو ایک منظم افغانستان اور ایک اسلامی اقتدار کو برداشت نہ کر سکیں۔

9/11 جس میں امریکہ کے دو ٹاور پر فضائی حملے کئے گئے کا بہانہ بنا کر امریکہ نے طالبان کے خلاف اور ایک مبینہ تنظیم القاعدہ پر الزام لگاتے ہوئے افغانستان پر حملہ کر دیا اور طالبان کی حکومت ختم کر دی۔ اور امریکی حمایت یافتہ حامد کرزئی حکومت قائم کرا دی جبکہ نیٹو افواج کے اتحاد کے ذریعے طالبان کے خلاف مسلسل حملے جاری رکھے۔

تاہم افغان عوام غیر ملکی تسلط کے خلاف مسلسل برسرپیکار ہیں اور آخر کار اگست 2021ء میں امریکی اور نیٹو افواج کو ہتھیار ڈال کر افغانستان سے نکلنا پڑا اور امریکہ نواز اشرف غنی کی حکومت ختم ہو گئی اور طالبان نے ایک بار پھر مملکت کی باگ ڈور سنبھال لی ہے اور فوری طور پر اصلاحات کا عمل شروع کر دیا ہے۔

خود آزمائی:

1. عالم اسلام کیا ہے؟ اس کی حدود اور تعریف بیان کریں۔
2. عالم اسلام کی تاریخ کا مختصر جائزہ پیش کریں۔
3. عالم اسلام میں انتشار کی کیا وجوہات ہیں؟
4. عالم اسلام میں اتحاد کی کوششیں کیوں ضروری ہیں؟
5. عالم اسلام کے اہم اداروں کے نام بتائیں اور ان کے کام بیان کریں۔